آداب رسول صلی اللہ علیہ وسلم

مؤلفہ

حضرت مولانا ابو البشیر محمد صالح نقشبندی قادری چشتی

رحمۃ اللہ علیہ

اسلامی کتب خانہ

اقبال روڈ، سیالکوٹ

لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجہروا لہ بالقول کجہر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم
(سورہ حجرات)
الصلوٰۃ والسلام علیک یا سید المرسلین
حنفی مذہب وصوفی مشرب کے صحیح عقائد کی کتابوں کا سلسلہ نمبر ۵
منہاج القبول
فی
آداب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم
اس میں بیان کیا گیا ہے کہ صحابہ۔ تابعین مجتہدین اور اولیائے کرام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
کا ادب واحترام اور تعظیم وتکریم کس طرح اور کس حد تک کرتے تھے۔ اور ہم کو بھی یہ فرض
کس طرح ادا کرنا چاہیے۔ چنانچہ اس کی تفصیل یہ ہے:۔
باب اول فضائل رسول۔ باب دوم تعظیم وتوقیر رسول۔ باب سوم بے ادبی کے
نتائج۔ باب چہارم اندازہ عظمت حضرت بنظر صحابہ کرام
باب پنجم فوائد آداب بزرگاں۔ باب ششم متفرق آداب
باب ہفتم طریق آداب
مؤلفہ ابو البشیر مولوی محمد صالح سجادہ نشین حضرت مولوی ... علی ...
نقشبندی ساکن ... براستہ وزیر آباد (پنجاب)
۱۳۴۸ھ
۱۹۳۰ء

نام کتاب ــــــــــــ منہاج القبول فی آداب الرسول
نام مصنف ــــــــــــ مولانا ابوالبشیر محمد صالح رحمہ اللہ
طابع ــــــــــــ
ناشر ــــــــــــ مکتبہ نعمانیہ اقبال روڈ سیالکوٹ
سال اشاعت ــــــــــــ ۱۴۰۰ھ ۱۹۸۰ء
تعداد ــــــــــــ (۱۰۰۰) ایک ہزار
قیمت ــــــــــــ [illegible] روپے

واحد تقسیم کار
اسلامی کتب خانہ، اقبال روڈ، سیالکوٹ

یَا صَاحِبَ الْجَمَالِ وَیَا سَیِّدَ الْبَشَرِ
مِنْ وَّجْہِکَ الْمُنِیْرِ لَقَدْ نُوِّرَ الْقَمَرُ
لَا یُمْکِنُ الثَّنَاءُ کَمَا کَانَ حَقُّہٗ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اِهْدَاءُ الْاٰدَابِ

لِحَضْرَۃِ النَّبِیِّ صَاحِبِ الْمِلَّۃِ وَالْکِتَابِ
عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ مِنَ اللّٰہِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ!

یہ بندہ کمترین، ادب و تعظیم کے گلشن کا گلچیں، آداب کے چند پھولوں،
اور تعظیمات کے متعدد غنچوں کو ارادت و عقیدت کے رشتے میں مربوط
کرکے گنبدِ خضرا کے آستانۂ علیا میں پیش کرتا ہے ؎

لائق نبود قطرہ بعمان بُردن — خار و خسِ صحرا بگلستاں بُردن!
اما چکنم کہ رسم موزوں باشد — پاے ملخے پیشِ سلیماں بُردن

ابو البشیر محمد صالح بن مولوی مست علی مرحوم

نذرِ محبّت

۱۴۰۰ھ

تصنیفِ گہر افشاں منہاج القبول فی آداب الرسول

۱۹۸۰ء

جلیل القدر ابوالبشیر مولانا محمد صالح نور اللہ مرقدہٗ

۱۹۸۰ء

ہو رہی ہے شائع منہاج القبول
جس میں ہیں تحریر آدابِ الرسول

جانِ ایمان و عمل حُبِّ رسول
یہ نہ ہو تو ہر عبادت ہے فضول

اتباعِ سرورِ کونین ہے
بالیقین یمن و سعادت کا حصول

کیا ہی مسلکِ عقیدت واہ وا
جس میں ہیں عشق و وفا کے تازہ پھول

ہے محمد صالح جن کا اسمِ پاک
ذات اُن کی صدرِ اربابِ عقول

اہلِ دُنیا کو دیا درسِ خلوص
اور سکھاتے ہیں محبت کے اصول

اُن کی رُوحِ پاک پر شام و سحر
ہو عنایاتِ الٰہی کا نزول

بارگاہِ مصطفٰے میں اے قمر!
کاش یہ نذرِ محبت ہو قبول

۱۴۰۰ھ

اسیرِ خلوصِ اربابِ دانش قمر یزدانی

۱۹۸۰ء

پنوانہ ــــــ ضلع سیالکوٹ

جمعۃ المبارک

۱۱ر رمضان المبارک ۱۴۰۰ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　　　نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

عرضِ ناشر

ربّ العالمین نے اپنی صفتِ ربوبیت سے ہر مخلوق کی تربیت کا کامل انتظام فرمایا ہے چونکہ انسان خلاصۂ کائنات ہے اور تمام مخلوقات سے احسن و اکرم ہے اس لیے اس کی روحانی و جسمانی تربیت کا خاص اہتمام فرمایا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس چیز سے کوئی خاص کام لینا مقصود ہو اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا جانا چاہیئے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے اپنے کرم سے ہماری تربیت کے کیسے عمدہ وسیلے پیدا فرمائے۔

انسان کی پیدائش کا مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت و معرفت ہے۔ اس مقصد سے آگاہی اور اس کے حصول کا طریقہ جن ذرائع سے ہم تک خالقِ کائنات نے پہنچایا اور سمجھایا وہ تمام چیزیں ربِّ کریم کی پسندیدہ مقبول ہیں اور بندہ کو اپنے مالکِ حقیقی سے قریب کرنے کا واسطہ و ذریعہ۔ خواہ وہ فرشتے اور رسول ہوں یا کتابیں اور صحیفے، سب قابلِ تعظیم ہیں بلکہ ہر وہ چیز جس کو ہمارا محبوبِ حقیقی محبت کی نظر سے دیکھے اس کا ادب و احترام اس محبوبِ ازلی کی کمالِ محبت کی علامت ہے۔ لیکن افسوس بعض لوگ تعظیم و توقیر اور عبادت میں فرق نہیں کرتے اس لیے تعظیم کو عبادت کہہ کر اس کو ترک کر کے بے ادب اور گستاخ بن گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔

یاد رہے کہ ادب و تعظیم کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ تعظیم کے نام پر جو چاہو کرتے جاؤ۔ ہماری شریعتِ پاک میں ہر کام کی حدود مقرر ہیں، فقہائے کرام نے ادب و احترام کے جائز اور ناجائز طریقوں پر فقہ کی کتابوں میں مفصل بحث کی ہے۔ عوام کو ان سے راہنمائی حاصل کرنا ضروری ہے اور اپنے جاہلانہ کاموں سے باز رہنا چاہیئے۔

زیرِ نظر کتاب منہاج القبول میں قرآن و سنت اور بزرگانِ دین کی تعلیمات سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر، قرآن و حدیث اور علماء و مشائخ کے آداب کے صحیح طریقے بیان کیے گئے ہیں اس موضوع پر اردو زبان میں ایسی جامع کتاب نظر سے نہیں گزری۔ امید ہے کہ اہلِ محبت حضرات اس کا مطالعہ فرما کر اپنے خالق کی محبت میں مزید کمال پیدا کرنے کی کوشش فرمائیں گے اور ناشرین و معاونین کو اپنی دعاؤں میں یاد فرمائیں گے۔

احقر محمد اشرف مجددی

۸ رمضان المبارک ۱۴۰۰ھ - مجدد آباد

فہرست منہاج القبول

دیباچہ

حمد و نعت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام تعریف پروردگارِ عالم کے لئے زیبا ہے جس نے ساری کائنات کو دائرۂ ادب میں پیدا فرمایا۔ پھر ہر مخلوق کو اپنے قانونِ فطرت کے مطابق خاص نظامِ ادب کا پابند بنایا چنانچہ درختوں کو مؤدبانہ قیام۔ بہائم کو عاجزانہ رکوع۔ حشرات کو مستمندانہ سجود اور جبال کو صابرانہ قعود سکھایا۔ اسی طرح نہر کی روانی۔ دریا کی طغیانی۔ بجلی کی چمک۔ بادل کی گرج۔ ہوا کی تگ و دو۔ آسمان کی گردش۔ سورج کی تابش۔ ستاروں کی رفتار کا ایک خاص ضابطہ ادب ٹھہرا دیا۔ اور ہر مخلوق کو اس ضابطہ کی بجا آوری پہ مامور کیا۔ ؎

باد و خاک و آب و آتش بندہ اند — با من و تو مُردہ باحق زندہ اند!!

جملہ ذرّاتِ زمین و آسماں — لشکرِ حق اند گاہِ امتحاں!

اور درودِ نامحدود اُس کے حبیبِ پاک سرورِ عالم فخرِ بنی آدم حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر جنہوں نے درسگاہِ غیب سے احسن تادیب کا سبق لیا۔ اور اپنی صفاتِ عالیہ اور اخلاقِ زاکیہ سے آداب و فضائل کا بہترین نمونہ اُمّت کے سامنے پیش کیا جس نے اس نمونہ کی اقتدا کی وہ فائز المرام ہُوا۔ اور جس نے غفلت اختیار کی وہ ناکام رہا۔ ؎

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَ
اَصْحَابِهٖ وَسَلِّمْ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا ۝

التماس

آں گروہے کز ادب بگریختند! آب مردی و آب مرداں ریختند

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کا مندرجہ بالا شعر گویا سات سو سال پیشتر کی پیشگوئی ہے جو آج کل کے مسلمانوں کے حق میں آپ نے فرمائی تھی۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ ادب رسول کا جذبہ محبت فرزند محبت پدر و مادر، محبت وطن، محبت مال وجاہ تک کے تمام جذبات پر غالب تھا۔ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک اشارے پر صدہا وجد و حرکت میں آنے لگتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آب دہن گراتے تو کسی نہ کسی کا ہاتھ پر پڑتا تھا۔ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مصروف تکلم ہوتے۔ تو ہزاروں حاضرین اس طرح سکوت وسکون میں محو ہو جاتے۔ گویا کسی میں حس وحرکت نہیں۔ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم وضو فرماتے تو بقیۃً آب کو لینے اور منہ پر ملنے کے لئے لوگ ہر طرف سے ہاتھ پھیلا دیتے۔ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی تراشہ ناخن یا موئے مبارک گرتا تو لوگ ادب سے اُٹھا کر احتیاط سے محفوظ رکھتے۔

یہی کمال ادب، یہی فرط عقیدت۔ اور یہی غایت محبت جسم اسلام میں جان کا کام کر رہی تھی۔ اور یہی وہ طاقت تھی جو دُنیا کی بڑی سے بڑی طاقتوں کو الٹتی۔ اور روما اور ایران تک کی عظیم الشان اور با اقتدار سلطنتوں کو پامال کرتی چلی گئی۔ آج مسلمانوں میں یہ طاقت مضمحل ہو چکی ہے۔ آج محبت رسول اور ادب رسول کا جذبہ سرد پڑ چکا ہے۔ آج دشمنان اسلام ناموس رسول پر گستاخانہ تعدی کرتے ہیں۔ تو شاذ ونادر کوئی اکا دُکا عاشق رسول ہی باز پُرس کے لئے جان ہتھیلی پر لے کر نکلے تو نکلے، ورنہ کافہ اُمت پر عافیت پسندی کی وہ غنودگی طاری ہے کہ اس خار زار میں قدم رکھنے کی جُرأت ہی نہیں رہی۔ آج سوانح رسول اور حدیث رسول کی کتابیں کباڑیوں کی دُکانوں پر ایک متاع کاسد

کی طرح ردی حالت میں پڑی ہیں۔ تو کسی کی رگ حمیت میں حرکت پیدا نہیں ہوتی۔ ان کے اوراق پنساریوں کی پڑیوں کے کام آتے ہیں تو کسی میں جوشِ ایمان کا ولولہ نمودار نہیں ہوتا۔ اس قسم کے اخبار جن میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام ذکرا ور احوال درج ہوتا ہے پریس میں پامال ہوتے ہیں، دفتریوں کی دکانوں میں گندی زمین پر ان کے ڈھیر لگتے ہیں۔ اشاعت کے بعد ردی کی ٹوکریوں میں چولہوں میں، پاخانوں میں اور گندی نالیوں میں پہنچتے ہیں۔ مگر کسی مسلمان کے جذبۂ ایمانی میں حرارت پیدا نہیں ہوتی۔

یہی وجہ ہے کہ آج مسلمان نہایت کمزور ہیں۔ ذلیل ہیں، اور تمام اقوام سے گرے ہوئے ہیں۔ ادبِ رسول ہی مسلمانوں کی روح تھی۔ اسی رُوح کے بل پر ترقی کے میدان میں وہ تاب دوش اور زورِ پرواز رکھتے تھے۔ اب وُہی روح ناپید ہو چکی ہے۔ اس لئے ان کی حیثیت ایک جسم بے جان اور لاش میت کی سی ہے۔ کوئی اس لاش کو کسی طرح اُٹھائے۔ کہیں لے جائے۔ کہیں پھینک دے۔ ان کو مطلق احساس نہیں۔

ادبِ رسول کے جذبہ کو سب سے پہلے فرقہ شیعہ کے ہاتھوں نقصان پہنچا جس نے کبار صحابہ کے حق میں بے ادبانہ طریق سے منہ کھول کر اسلام میں عام بے ادبی کا فتح باب (دروازہ کھول دیا) کر دیا حتّٰی کہ سبِّ اصحاب کا مکروہ فعل بھی اس فرقہ نے داخل عبادات سمجھ رکھا ہے۔ نعوذ باللہ من الجہل والضلال۔ حالانکہ گالیاں بکنا دُنیا کے کسی مذہب میں بھی بشرطیکہ وہ اپنے آپ کو ایک مہذب مذہب سمجھتا ہو۔ روا نہیں۔ اور اہلِ سنّت کے ہاں تو فرعون نمرود اور ابو جہل حتّٰی کہ شیطان کو گالیاں دینا بھی کوئی رکنِ عبادت نہیں۔ جیسا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے۔ اس ترکِ ادب کی شامت یہ ہے کہ یہ فرقہ جو اپنے آپ کو اہلِ بیت کا سب سے زیادہ حامی، ہوا خواہ اور مداح ومعتقد سمجھتا ہے۔ اپنی روایات اور تمثیلات میں خود اہلِ بیت ہی کی اس قدر ہتکِ حرمت اور تخفیفِ عزت اور تذلیل وتحقیر وتوہین کا مرتکب ہوتا ہے، جس کی کسی دُشمن سے بھی توقع نہ ہو۔ پس اگر یہ لوگ اہلِ بیت کے دوست ہیں، تو سراسر نادان دوست ہیں۔ ؎

مہر ابلہ مہر خرس آمد یقین ! کین او مہر است مہر او ست کین !

عہد او شکست و ویراں ضعیف! گفتۂ او رفت و وفائے او نحیف!

اسی ترکِ ادب کی شومی سے اس فرقہ میں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بھی پُورا ادب واحترام نہیں۔ ہمارے ہاں درود شریف پڑھنے کے کلمات عموماً یُوں ہوتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلٰینَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی الخ۔ مگران کے ہاں جب مجمع میں درود پڑھا جاتا ہے، تو نہایت غیر مؤدبانہ لہجہ اور روکھے پھیکے اور غیر جاذب قلوب انداز سے یہ غُل بلند ہوتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ۔ جس میں نہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے نام پر سَیِّدِنَا وَ مَولٰینَا وغیرہ کے مؤدبانہ الفاظ شامل ہوتے ہیں۔ اور نہ اظہارِ عقیدت و ابرازِ محبّت کے دوسرے کلمات منضم کئے جاتے ہیں۔ جیسے اہلِ سُنّت کے صلوٰۃ وسلام کے کلمات میں ماثور ومتوارث ہیں۔ جن کے بہترین نمونے دلائل الخیرات وغیرہ کتبِ صلوٰۃ میں موجود ہیں۔ پس یہ سب سبّ اصحاب کی شومی ہے۔ ؎

زغاکے کہ بر آسماں افگنی مرو چشم خود را زیاں افگنی!

فرقہ شیعہ کے بعد اسلام میں بے ادبانہ قول وعمل کا مرتکب وہ فرقہ ہے۔ جو تقلیدِ امام کا تارک ہے۔ اور اپنے آپ کو اہل حدیث کہتا ہے۔ جس طرح شیعہ لوگ جمہور صحابہ خصوصاً حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو بے ادبانہ الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ اسی طرح یہ لوگ آئمہ اربعہ خصوصاً امام اعظم رضی اللہ عنہ کا ذکر نہایت تخفیفِ شان کے ساتھ کرتے ہیں۔ اسی لئے سُنا ہے کہ حضرت شاہ اسحٰق صاحب محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس فرقہ کو چھوٹے رافضی کے نام سے موسوم فرمایا کرتے تھے۔ یعنی صحابہ کا رفض کرنے والے بڑے رافضی ہیں۔ تو آئمہ کا رفض کرنے والے چھوٹے رافضی۔ تقلید کو ترک کردینا یا اُسکو اچھا نہ سمجھنا تو ایک علمی اختلاف ہے۔ ہُوا کرے۔ اور علمی وعملی اختلاف کی حدّ تک کوئی سوءِ ادب نہیں مگر افسوس یہ ہے۔ کہ یہ لوگ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی عالمگیر مقبولیت اور ہفت اقلیم میں ان کے سکۂ اجتہاد کا رواج دیکھ کر حد سے بیتاب ہوجاتے ہیں۔ اور اختلاف کی معتدل حد سے نکل کر سوءِ ادب اور گستاخانہ کلام پر اُتر آتے ہیں۔ اس کا ایک نمونہ دیکھنا ہو۔ تو بنارس کے ایک غیر مقلد مولوی کی کتاب الجرح علی ابی حنیفہ دیکھ لی جائے جس میں اس کے گندہ دہن

مؤلف نے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو "سگ" جیسے ناپاک الفاظ سے یاد کرنے میں بھی دریغ نہیں کیا۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شَرِّ الشَّیْطٰنِ وَشَرِّ اِخْوَانِہٖ۔ تاہم خدا ہ پنج انگشت یکساں نکرد۔ اس بیباک وشوخ چشم گروہ میں بعض ایسے منصف مزاج اور اعتدال پسند اصحاب بھی موجود ہیں، جو اختلافِ عقیدت کے باوجود امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی علو شان کے معترف اور اُن کی خدمتِ دین کے ثناخواں ہیں۔ ہمارے ایک اہل حدیث دوست نے جو انہی نیک اوصاف سے موصوف ہیں، ایک واقعہ بیان کیا۔ جو دونوں قسم کی نظیروں کا رقع پیش کرتا ہے۔ ہمارے دوست سے ایک طالب علم نے جو اہل حدیث کے ایک دارالعلوم میں تعلیم پاتا تھا۔ کہا کہ میرا خیال ہے۔ ہمارے مولانا (محدث دارالعلوم) امام اعظم سے بڑھ کر ہیں۔ اس بات پر ہمارے دوست کو رنج پہنچا، اور اس کے جواب میں کہا۔ یہ مولانا تو مولانا ہوئے۔ اگر یہ بھی اور ان کے تمام بزرگ اور سارے شیوخ واساتذہ بھی مل کر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے غلاموں کے غلاموں کی خاکِ پاکی ریس کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے۔

آج کل ایک تیسرا دور شروع ہے، جو دنیا کے سیاسی انقلابات کا نتیجہ ہے، اس میں مذہب اور مذہب کے آداب اور بانیانِ مذاہب کی وقعت وعزت دلوں سے اُٹھتی جا رہی ہے روس اس انقلاب کا علم بردار ہے۔ جس کے نزدیک خدا اور مذہب کوئی چیز نہیں صرف انسانی تخیلات کا نتیجہ ہے، حقیقت میں جو کچھ ہے، وہ دولت وجاہ ہے۔ تمام ظاہری وباطنی قوتیں اسی کے لئے صرف کرنی چاہئیں۔ روس کی اس تحریک کے ماتحت قلمروئے روس میں گرجاؤں کا صفایا ہو رہا ہے، اور قیاس غالب ہے۔ کہ چند روز میں یہ عالم ہوگا کہ روس کی طویل وعریض قلمرو میں کسی عبادت گاہ کا نشان تک نظر نہ آئے گا۔ اور نہ کوئی متنفس خدا کے نام سے آشنا ہوگا۔ یہی وبا یورپ کے دوسرے ممالک میں پھیل رہی ہے، اور اس کے اثر سے آجکل نوجوانانِ ہندوستان (یا کہ ہندوستان) میں مسلمان۔ ہندو، سکھ۔ پارسی وغیرہ سب مذاہب کے لوگ شامل ہیں متاثر ہوتے جا رہے ہیں۔

اِن نوجوانوں کا دعویٰ ہے، کہ ہم نہ ہندو ہیں نہ مسلمان۔ ہم تو بس ہندوستانی ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم کو مذہب سے، خدائے مذہب سے۔ اور بانیٔ مذہب سے

کوئی سروکار نہیں۔ ہمارا تن من دھن تو صرف ملک کی مالی و اقتصادی ترقی کے لئے وقف ہے وہ لوگ اہلِ مذہب کو، معتقدانِ انبیاء کو اور عُبّاد و زُہّاد کو محض فاتر العقل اور بیوقوف سمجھتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو عقلِ کُل جانتے ہیں۔ ان کے دِل میں خدا کی، رسول کی، کعبہ کی اور قرآن کی اسقدر بھی وقعت نہیں جسقدر ریش ڈاڑھی پر سفیدی ہوتی ہے۔ ؎

مصحف بزیر پایے گزار نداز غرور را ۔۔۔ دستارِ عقل از سرِ جبریل واکنند!

اِسی دَورِ فِتن کے ناقابلِ بیان حالات پر مولانا کا یہ شعر صادق آتا ہے کہ ؎

آں گروہے کز ادب بگریختند!! ۔۔۔ آبِ مردان و آبِ مردی ریختند!

یعنی جن اسلامی فرقوں کے متعصب لوگوں نے اور جن دُنیا طلب نوجوانوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وقعت اپنے دل سے اُٹھا دی۔ اور آپ کے حق میں بیباکانہ بکواس کرنا اپنا شیوہ بنا لیا۔ انہوں نے نہ صرف اپنی بلکہ اپنے مذہب کی اور اپنے اکابر اہلِ مذہب کی عزت کو داغدار کر دیا۔ ؎

چراز قومے یکے بیدانشی کرد! ۔۔۔ نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را

لہٰذا خاکسار نے اپنا یہ فرض سمجھا کہ اِس گمراہی کے عالم میں حق کی آواز بلند کروں۔ شاید کوئی دیدہ بینا اور گوشِ شنوا ادھر متوجہ ہو جائے۔ اور اس کی ہدایت کا باعث ہو۔ وَمَا تَوْفِيْقِىْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ۔

آخر میں میں اپنے مکرم و محترم دوست جناب حکیم مولوی میرزا محمد نذیر صاحب عرشی شارح مثنوی مولانا روم کا نہایت شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جنہوں نے اس مسودہ کو اوّل سے آخر تک بالاستیعاب پڑھ کر جابجا حک و ترمیم سے اس کی اصلاح اور کئی جگہ مفید باتوں کا اضافہ کیا۔ جزاہ اللہ عنا خیر الجزاء۔

ابوالبشیر محمدؐ صالح بن مولوی مست علی مرحوم میتراں والی

ضلع سیالکوٹ (پنجاب) ۱۲ ربیع الاوّل ۱۳۴۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اوّل

فضائلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

بقول اَلدِّیْنُ کُلُّہٗ اَدَبٌ اسلام کا تمام تر مدار ادب پر ہے۔ اسلام کے معنے ہیں سر جھکا دینا یعنی امر حق کے لئے اعتراف کا سر خم کر دینا۔ جو ادب کی خاص شان ہے۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ دین سراپا ادب ہے، اگر ادب نہیں تو دین بھی نہیں۔ ادب کس کا کیا جاتا ہے؟ جس کو اپنے سے برتر اور افضل سمجھا جائے۔ کائنات میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے برتر و افضل کون ہو سکتا ہے ؎ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔ پس آپ کی تعظیم اور آپ کے لئے رعایتِ ادب بھی اسقدر لازم ہے، جو خدائے تعالیٰ کے بعد اور کسی کا حق نہیں۔ بعض بیباک اور بے ادب لوگ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عظمت و بزرگی کو کماحقہ نہیں مانتے۔ اور وہ آپ کو معاذ اللہ بَشَرٌ مِّثْلُنَا جانتے ہیں۔ حالانکہ حدیث صحیح میں ہے کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تمام مخلوق سے برتر و اعلیٰ نہ مانا جائے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا ؎ گر حفظ مراتب نکنی زندیقی دتواں کی قسمت؟ ؎

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبر کامل کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ مے آرد سکندر را

مدارج النبوت اور مواہب اللدنیہ میں مرقوم ہے، کہ اگر کوئی شخص تمام عمر صرف لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھتا رہے۔ وہ کبھی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے ساتھ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ نہ پڑھے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی معنوی میں ایک جگہ خوب بتایا ہے جس کا مطلب یہ ہے، کہ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دوسرے لوگوں کے

برابر سمجھتے ہیں۔ وہ صورت پرست ہیں کیونکہ ان کو رسول اور غیر رسول کی صورت یکساں نظر آتی ہے حالانکہ فرق مراتب کا باعث امر معنوی ہے جس سے رسول رسول ہے۔ اور غیر رسول غیر رسول ہے

گر بصورت آدمی انساں بدے
احمد و بوجہل خود یکساں بدے!

احمد و بوجہل در بتخانہ رفت — زیں شدن تا شدن فرقیست رفت
آں در آید سر نہد اورا بتاں — ایں در آید سر نہد چوں امتاں!

جمیع انبیاء علیہم السلام عموماً اور جناب رسول اللہ خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خصوصاً ادب و تعظیم کے مستحق کیوں ہیں؟ اس لئے کہ وہ تمام بنی آدم بلکہ جملہ ما ورائے حق تعالیٰ سے افضل ہیں۔ اب ذرا ان کی افضلیت کی وجوہ سن لیجئے۔

انبیاء و اولیاء کے جسم کو زمین نہیں کھا سکتی۔ اور وہ قبر میں زندہ ہیں

ابن ماجہ میں ابوالدردا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اللہ تعالےٰ نے زمین پر حرام کردیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسم مبارک کو کھا سکے۔ پس خدا کے پیغمبر زندہ ہوتے ہیں۔ اور اُن کو رزق دیا جاتا ہے۔

تمام اُمت کے اعمال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو قبر میں پیش ہوتے ہیں

مواہب لدنیہ میں ابن المبارک نے سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر آپ کی اُمت کے اعمال صبح و شام پیش نہ کئے جاتے ہوں۔

انبیاء اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں

بیہقی وغیرہ نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں (مواہب لدنیہ)

روضۂ مبارک پر ہر روز نئے ستر ہزار فرشتے آکر درود پڑھتے ہیں

دارمی شریف میں بنبیہ بن وہب سے مروی ہے کہ کعب احبار رضی اللہ عنہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے۔ اور حاضرین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کا ذکر کیا تو کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کوئی دن ایسا نہیں آتا جس میں ستر ہزار فرشتے نہ اترتے ہوں۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر شریف کو بازو مارتے ہوئے احاطہ کر لیتے ہیں۔ اور آپ پر درود پڑھتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب شام ہوتی ہے تو وہ آسمان پر چڑھ جاتے ہیں۔ اور دوسرے فرشتے اسی طرح کے اترتے ہیں۔ اور ایسا ہی کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب قیامت کے دن زمین قبر شق ہوگی تو آپ ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ باہر تشریف لائیں گے کہ وہ آپ کو لے چلیں گے۔

حضرت بروز قیامت تمام بنی آدم کے سردار ہونگے۔ اور سب سے پہلے قبر سے نکلیں گے۔ اور سب سے پہلے آپ کی شفاعت قبول ہوگی

صحیح مسلم میں ہیں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میں سردار ہونگا اولاد آدم کا (یعنی کل آدمیوں کا) قیامت کے روز۔ اور میں ان سب میں پہلا ہوں گا جن کی قبر شق ہوگی (یعنی سب سے اول میں قبر سے اٹھوں گا) اور سب شفاعت کرنیوالوں سے پہلا شفاعت کرنیوالا میں ہوں گا۔ اور سب سے اول میری شفاعت قبول کی جائیگی۔

سب سے زیادہ تابعدار حضرت کے ہونگے اور سب سے پہلے بہشت کا دروازہ آپ کھٹکھٹائینگے

صحیح مسلم میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت کے روز میرے تابعین ہر پیغمبر کے تابعین سے زیادہ ہوں گے۔ اور میں سب سے پہلے بہشت کا دروازہ کھٹکھٹاؤنگا۔

قیامت کے روز حضرت ہی سوار ہوں گے باقی سب پیدل

مواہب اللدنیہ میں ابن زنجویہ سے بروایت کثیر بن مرۃ حضرمی رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (میں قیامت کے روز براق پر ہونگا۔ اور میں اس کے ساتھ تمام انبیاء میں سے اس روز مختص ہونگا۔

لواء الحمد قیامت کے دن حضرت کے ہی دست مبارک میں ہوگا

صحیح ترمذی میں ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے

میرے ہاتھ میں قیامت کے روز لواء الحمد ہوگا۔ اور یہ میں فخر کی راہ سے نہیں کہتا۔ اور جتنے نبی ہیں آدم بھی اور ان کے سوا اور بھی وہ سب میرے اُس لواء کے نیچے ہونگے۔

قیامت کے روز کئی ایک اُمور میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فخر ہوگا

صحیح ترمذی اور دارمی میں جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے میں سب سے پہلے قبر سے نکلونگا جب لوگ مبعوث ہوں گے۔ اور میں انکا پیشرو ہونگا جب وہ اللہ تعالیٰ کی پیشی میں آئیں گے میں اُن کی طرف سے شفاعت کے لئے بات چیت کرونگا جب وہ خاموش ہوں گے۔ اُن سب میں مجھ سے شفاعت کے لئے درخواست کی جائے گی جب وہ موقف میں حساب سے محبوس کئے جائیں گے۔ میں اُن کا بشارت دینے والا ہوں گا جب وہ نا امید ہو جائیں گے۔ کرامت اور ہر خیر کی کنجیاں اُس دن میرے ہاتھ میں ہونگی۔ اور لواء الحمد اُس روز میرے ہاتھ میں ہوگا، اور میں اپنے پروردگار کے نزدیک تمام بنی آدم سے زیادہ مکرم ہونگا۔ ایک ہزار خادم میرے میرے اکرام و خدمت کے لئے میرے پاس آمد و رفت کریں گے۔ اور ایسے حسین ہوں گے گویا کہ وہ بیضے ہیں جو غبار وغیرہ سے محفوظ ہوں یا موتی ہیں جو بکھرے پڑے ہوں۔

حضرت ہی عرش کی داہنی طرف کھڑے ہونگے

صحیح ترمذی میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو جنت کے جوڑوں میں سے ایک جوڑہ پہنایا جائے گا۔ پھر میں عرش کی داہنی طرف کھڑا ہونگا۔ کہ کوئی شخص خلائق میں سے بجز میرے اُس مقام پر کھڑا نہ ہوگا (غالباً یہ مقام محمود ہے)

پلصراط سے سب سے پہلے حضرت اپنی اُمت کو لے کر گزریں گے

صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے۔ جہنم کے وسط میں پلصراط قائم کیا جائے گا۔ سو سب رسولوں سے پہلے میں اپنی اُمت کو لیکر گزروں گا۔۔۔۔ الحدیث

حوض کوثر پر سب سے زیادہ اُمت محمدی ہوگی

صحیح ترمذی میں سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی

ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے۔ ہر نبی کا ایک حوض ہوگا اور وہ سب اس بات پر فخر کریں گے کہ کس کے حوض پر لوگ زیادہ آتے ہیں۔ اور مجھ کو اُمید ہے کہ میرے حوض پر لوگ بہت آئیں گے کیونکہ میری اُمت زیادہ ہوگی۔

سب سے پہلے جنت میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ہی داخل ہونگے

صحیح مسلم میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے میں قیامت کے روز جنت کے دروازہ پر آؤں گا اور اس کو کھلواؤں گا۔ خازن جنت پوچھیگا کہ کون ہے؟ میں کہوں گا محمدؐ۔ وہ کہیگا کہ آپ ہی کی نسبت مجھ کو حکم ہوا ہے کہ آپ کے قبل کسی کے لئے نہ کھولوں۔

کوثر صرف حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ہی کو عطا ہوگا۔

امام احمد نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کوثر کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جنت میں ایک نہر ہے، جو مجھ کو میرے پروردگار نے عطا فرمائی ہے۔ وہ دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہے۔

مقام وسیلہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی عطا ہوگا!

صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے۔ جب تم مؤذن کی اذان سُنا کرو تو جو وُہ کہے تم بھی کہا کرو۔ پھر مجھ پر درود بھیجا کرو کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اُس پر اللہ تعالےٰ دس بار رحمتیں بھیجتا ہے۔ پھر میرے لئے وسیلہ کی دُعا کیا کرو اور وہ وسیلہ جنت میں ایک درجہ ہے کہ تمام بندگانِ خدا میں سے اس کا مستحق ایک ہی بندہ ہے۔ اور اللہ تعالےٰ سے اُمید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہونگا۔ سو جو شخص میرے لئے وسیلہ کی دُعا کریگا اُس کے لئے میری شفاعت حلال ہوگی۔

مسند امام احمد میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے ارشاد نبوی ہے کہ وسیلہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک ایک درجہ ہے جس سے بڑھ کر کوئی درجہ نہیں ہے۔

حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک ہزار محل جنت میں ملیں گے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ مروی ہے۔ کہ اُنھوں نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک ہزار محل جنت میں دیئے ہیں اور ہر محل میں آپ کی شان کے لائق ازواج اور خادم ہیں (روایت کیا اس کو ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے)

سب سے پہلے حضرت کو ہی بہشت میں داخل ہونے کی اجازت ملیگی

صحیح ترمذی میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے میں سب سے پہلے جنت کا حلقہ ہلاؤنگا تو اللہ تعالےٰ میرے لئے دروازہ کھول دے گا۔ اور مجھ کو اس میں داخل فرمائے گا۔ اور میرے ساتھ فقراء مومنین ہوں گے۔

حضرت تمام اوّلین وآخرین سے زیادہ مکرم ہیں

صحیح ترمذی اور دارمی میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میں اللہ تعالےٰ کے نزدیک تمام اوّلین وآخرین میں زیادہ مکرم ہوں۔

جبرائیل براق سے حضرت کی تمام مخلوق کی نسبت فضیلت بیان کرتے ہیں

صحیح ترمذی میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شب معراج میں بُراق حاضر کیا گیا۔ تو وہ سوار ہونے کے وقت شوخی کرنے لگا۔ جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا۔ کیا تو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ایسا کرتا ہے۔ تجھ پر تو ایسا کوئی شخص سوار ہی نہیں ہُوا ہے۔ جو ان سے زیادہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک مکرم ہو۔ پس وہ (شرم سے) پسینہ پسینہ ہو گیا۔

بیت المقدس میں تمام انبیاء اور ملائکہ آپکے مقتدی بنے اور آپ امام ہوئے

امام احمد ابن عباس رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ جب آپ شب معراج کو بیت المقدس میں

تشریف لائے۔ اور نماز پڑھنے کھڑے ہوئے۔ تو تمام انبیاء آپ کے ہمراہ مقتدی ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ اور ابو سعید کی روایت میں ہے۔ کہ بیت المقدس میں داخل ہو کر فرشتوں کے ساتھ نماز ادا کی (یعنی فرشتے بھی مقتدی تھے) پھر انبیاء علیہم السلام کی ارواح سے ملاقات ہوئی۔ اور سب نے اللہ تعالیٰ کی ثناء کے بعد اپنے اپنے فضائل بیان کئے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خطبہ کی نوبت آئی۔ جس میں آپ نے اپنا رحمۃ للعالمین ہونا اور مبعوث الی کافۃ الناس ہونا۔ اور اپنی اُمت کا خیر الامم و اُمتِ وسط ہونا۔ اور خاتم النبیین ہونا بھی بیان فرمایا۔ اس کو سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب انبیاء کو خطاب فرمایا۔ بھٰذا فَضَّلَکُمْ مُحَمَّدٌ یعنی ان ہی فضائل سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم سب سے بڑھ گئے

(مواہب اللدنیہ)

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء و ملائکہ سے بڑھ کر بزرگ ہیں

دارمی میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ انہوں نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو انبیاء پر فضیلت دی۔ اور آسمان والوں یعنی فرشتوں پر بھی۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر دوزخ میں داخل ہونگے آپ کا نام مبارک عرش پر لکھا ہوا ہے!

انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے ایک بار اپنے کلام میں فرمایا۔ کہ بنی اسرائیل کو مطلع کر دو۔ کہ جو شخص مجھ کو اس حالت میں ملیگا۔ کہ وہ احمد کا منکر ہوگا۔ تو میں اس کو دوزخ میں داخل کرونگا۔ خواہ کوئی ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا۔ کہ احمد کون ہیں؟ ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ قسم ہے اپنی عزت و جلال کی میں نے کوئی مخلوق ایسی پیدا نہیں کی جس میں کوئی ان سے زیادہ میرے نزدیک مکرم ہو۔ میں نے ان کا نام عرش پر اپنے نام کے ساتھ آسمان و زمین اور شمس و قمر پیدا کرنے سے بیس لاکھ برس پہلے لکھا تھا۔ قسم ہے اپنی عزت اور جلال کی۔ کہ جنت میری تمام مخلوق پر حرام ہے جب تک کہ محمد اور ان کی اُمت اس میں داخل نہ ہو جائیں۔ الحدیث۔ (روایت کیا اسکو حلیہ میں)

صحیحین میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ فرمایا رسول اللہ

کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو سب چیزوں سے زیادہ محبوب نہوں

صلے اللہ علیہ وسلم نے۔ تم میں سے کوئی شخص مومن نہ ہوگا جب تک کہ میں اُس کے نزدیک اُس کے والد اور اولاد اور تمام آدمیوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

صحیح بخاری میں عبد اللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ میرے نزدیک ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں بجز میرے نفس کے جو میرے پہلو میں ہے۔ یعنی وہ تو بہت ہی محبوب ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک خود اُس کے نفس سے بھی زیادہ اُس کو میں محبوب نہ ہوں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ کہ قسم ہے۔ اُس ذات کی جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی۔ کہ آپ میرے نزدیک اُس نفس سے بھی زیادہ محبوب ہیں جو میرے پہلو میں ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بس اب بات ٹھیک ہوئی۔ (مواہب اللدنیہ)

ہر کہ او را دوست تر از خود ندارند زاہد است ۔۔۔ گرچہ آمد نزد یک جہاں طاعت بر دیش وا زنند

حضرت جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مستند حدیث اپنی کتاب جامع صغیر میں نقل کی ہے۔

کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اَدِّبُوْا اَوْلَادَکُمْ عَلٰی ثَلٰثِ خِصَالٍ حُبِّ نَبِیِّکُمْ وَحُبِّ اَھْلِ بَیْتِہٖ وَقِرَاءَۃِ الْقُرْاٰنِ الحدیث یعنی اپنی اولاد کو تین باتوں کی تادیب کرو۔ ایک اپنے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنا، دوسرے ان کے اہل بیت سے محبت رکھنا۔ تیسرے قرآن مجید پڑھنا۔ الخ

جو شخص حضرت کی اطاعت نہیں کرتا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا!

صحیح بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے میری تمام اُمت جنت میں داخل ہو گی مگر جس نے میرا کہنا

قبول نہ کیا۔ عرض کیا گیا۔ کہ قبول کس نے نہیں کیا؟ فرمایا جس نے میری اطاعت کی۔ وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اور جس نے میری نافرمانی کی۔ اُس نے قبول نہیں کیا۔

جو شخص حضرت سے محبت رکھتا ہے۔ وہ جنت میں داخل ہوگا

صحیح ترمذی میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جس نے میری سُنت سے محبت کی۔ اس نے مُجھ سے محبت کی۔ اور جس نے مجھ سے محبت کی۔ وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا ؎

محبت آدمی رکھتا ہے جس سے قیامت کو وہ ہوگا ساتھ اُسکے

حضرت کے حق میں گستاخی کرنیوالے کو مار ڈالنے سے قصاص نہیں لیا جاتا

ابو داؤد کتاب الحدود میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک نابینا کی ایک اُم ولد تھی۔ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی شان میں بیہودہ حکایت کہا کرتی۔ اور گستاخی کیا کرتی تھی۔ وہ نابینا منع کیا کرتا۔ وہ باز نہ آتی وہ اُس کو ڈانٹتا۔ مگر وہ نہ مانتی۔ ایک رات اسی طرح اُس نے کچھ بکنا شروع کیا۔ اس نابینا نے ایک چھرا لے کر اُس کے پیٹ میں بھونک دیا۔ اور اس کو ہلاک کر ڈالا۔ صبح کو اس کی تحقیقات ہوئی۔ اُس نابینا نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے سامنے اس کا اقرار کیا۔ اور تمام قصہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا۔ سب گواہ رہو۔ کہ اس کا خون رائیگاں ہے۔ یعنی قصاص وغیرہ نہ لیا جائیگا۔

حضرت کی تعظیم و تکریم صحابہ کی نگاہ میں

امام بخاری نے کتاب الشروط میں قصہ حدیبیہ کی ایک طویل حدیث نقل کی ہے اُس میں یہ بھی ہے۔ کہ عروہ بن مسعود رئیس مکہ نے آپ کی مجلس شریف سے مکہ واپس جاکر لوگوں سے بیان کیا۔ کہ اے میری قوم واللہ میں بادشاہوں کے پاس گیا ہوں۔ اور قیصر و کسریٰ و نجاشی کے پاس گیا ہوں۔ واللہ میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا۔ کہ اس کے مصاحب اُس کی اسقدر تعظیم کرتے ہوں۔ جس قدر صحابہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کرتے ہیں۔ واللہ جب کھنکار پھینکتے ہیں تو وہ کسی نہ کسی کے ہاتھ میں پہنچتی ہے۔ اور وہ اُس کو اپنے

چہرہ اور بدن کو مل لیتا ہے۔ اور جب آپ اُن کو کوئی حکم دیتے ہیں۔ تو وہ آپ کے حکم کی طرف دوڑتے ہیں۔ اور جب آپ وضو کرتے ہیں۔ تو اُن لوگوں کی یہ حالت ہو جاتی ہے۔ کہ وضو کا پانی لینے کے لئے گویا اب لڑ پڑیں گے۔ اور جب آپ کلام فرماتے ہیں۔ تو وہ لوگ اپنی آوازوں کو آپ کے سامنے پست کر لیتے ہیں۔ اور وہ لوگ آپ کی طرف تیز نگاہ سے دیکھتے تک نہیں۔ الحدیث۔

حضرت کی تعظیم و تکریم حیّاً و میّتاً یکساں ضروری ہے۔

جس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے رفع صوت جائز نہ تھا۔ اسی طرح آپ کے کلام کے درس اور شرع کے احکام کی نقل کے وقت بھی رفع صوت حاضرین وسامعین کے لئے خلافِ ادب ہے۔ اور اسی طرح محل مسجد شریف کے قریب بھی چنانچہ مواہب اللدنیہ میں ایک حکایت نقل کی ہے۔ کہ امیر المومنین ابو جعفر منصور خلیفہ عباسی نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کسی مسئلہ میں مسجد نبوی میں گفتگو کی تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اے امیر المومنین تم کو کیا ہوا اس مسجد میں آواز مت بلند کرو کہ حضور نبوی کا احترام وصال کے بعد وہی ہے جو حالت حیات میں تھا۔ سو ابو جعفر دب گیا۔ چنانچہ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے صحیح بخاری میں مروی ہے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دو شخص اہل طائف کو تہدیداً فرمایا تھا۔ کہ تم مسجد نبوی میں اپنی آواز بلند کرتے ہو۔ واللہ اگر تم اہل مدینہ سے ہوتے تو میں تمہارے دُرّے لگاتا۔

روایت ہے۔ کہ ایک مرتبہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ حدیث کا درس دے رہے تھے۔ کہ یکایک آپ کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو گیا۔ مگر آپ درس میں مشغول رہے۔ اور کوئی حرکت نہیں کی۔ تھوڑی دیر بعد پھر دوبارہ آپ کا رنگ بدل گیا۔ مگر پھر بھی آپ سے کوئی بات ظاہر نہ ہوئی۔ اور بدستور درس حدیث پر متوجہ رہے۔ تیسری مرتبہ پھر آپ کا چہرہ متغیر ہوا۔ اتنے میں درس بھی ختم ہو گیا۔ تو آپ نے اپنی قمیص کو اُٹھایا۔ تو اُس میں سے سرخ زنبور نکلی جس نے متواتر تین مرتبہ آپ کے جسم میں کاٹا۔ مگر آپ نے محض حدیث کے ادب سے یہ پسند نہ کیا کہ قمیص کو اُٹھائیں یا زنبور کے کاٹنے کی جگہ کو کھجلائیں۔ یا حاضرین سے اسکا ذکر کریں جس سے درس میں انقطاع لازم آئے۔

مکن زغصہ شکایت کہ در طریق ادب ۔ براحتے نرسید آنکہ زحمتے نکشید!

ایک نابینا شخص محض حضرت کے توسّل سے بینا ہو گیا!

ابن ماجہ باب صلوٰۃ الحاجت میں عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ ایک شخص نابینا نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا، کہ دُعا کیجئے۔ اللہ تعالےٰ مجھ کو عافیت دے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ اگر تو چاہے۔ اس کو ملتوی رکھوں۔ اور یہ زیادہ بہتر ہے۔ اور اگر تو چاہے۔ تو دُعا کر دوں۔ اُس نے عرض کیا کہ دُعا ہی کر دیجئے۔ آپ نے اس کو حکم دیا کہ وضو کرے۔ اور اچھی طرح وضو کرے اور دو رکعت پڑھے اور یہ دُعا کرے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّہُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ ھٰذِہٖ لِتُقْضٰی لِیْ اَللّٰھُمَّ شَفِّعْہُ فِیَّ یعنی اے اللہ! میں درخواست کرتا ہوں۔ اور آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں بوسیلہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نبی رحمت کے یا رسول اللہ! میں آپ کے وسیلہ سے اپنی اس حاجت میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا ہوں۔ تاکہ وہ پوری ہو وے۔ اے اللہ آپ کی شفاعت میرے حق میں قبول کیجئے۔ بیہقی میں ہے کہ وہ اندھا کھڑا ہو گیا اور بینا ہو گیا۔

علمائے محققین ارقام فرماتے ہیں۔ کہ یا محمدؐ کی بجائے یا رسول اللہ کہنا چاہیئے کیونکہ نام مُبارک لیکر پکارنے میں بے ادبی ہے۔

حضرت کے چچا کے توسّل سے نزولِ باراں ہونا۔

صحیح بخاری میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب لوگوں پر قحط ہوتا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے بارش کی دُعا کیا کرتے اور فرماتے کہ اللہ! ہم (پہلے) آپ کے دربار میں اپنے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا توسّل کیا کرتے تھے۔ آپ ہم کو بارش دیتے تھے۔ اور اب ہم آپ کے دربار میں اپنے پیغمبر کے چچا کا توسّل کرتے ہیں، سو ہم کو بارش دیجئے۔ چنانچہ بارش ہو جاتی تھی۔

حضرت کے روضہ مبارک کے توسّل سے بارش کا ہونا۔

دارمی میں ابو الجوزا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مدینہ میں سخت قحط ہوا۔ لوگوں نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

سے شکایت کی۔ آپ نے فرمایا۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کو دیکھ کر اُس کے مقابل آسمان کی طرف اُس میں ایک منفذ کردو۔ یہاں تک کہ اُس کے اور آسمان کے درمیان حجاب نہ رہے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا تو بہت زور کی بارش ہوئی۔

سب سے پہلے حضرت کا نُور مبارک پیدا ہُوا۔ پھر اس سے تمام مخلوق پیدا ہوئی

عبدالرزاق نے اپنی مسند میں حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ میں نے عرض کیا۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ مجھ کو خبر دیجیئے۔ کہ سب اشیاء سے پہلے اللہ تعالےٰ نے کونسی چیز پیدا کی؟ آپ نے فرمایا۔ اے جابر! اللہ تعالےٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نُور اپنے نور سے پیدا کیا۔ پھر وہ نُور قدرت الٰہیہ سے جہاں اللہ تعالےٰ کو منظور ہُوا سیر کرتا رہا۔ اور اُس وقت نہ لوح تھی نہ قلم تھا۔ اور نہ بہشت تھی اور نہ دوزخ تھا اور نہ فرشتہ تھا اور نہ آسمان تھا اور نہ زمین تھی اور نہ سورج تھا اور نہ چاند تھا اور نہ جن تھا اور نہ انسان تھا پھر جب اللہ تعالیٰ نے اور مخلوق کو پیدا کرنا چاہا۔ تو اُس نُور کے چار حصے کیئے اور ایک حصہ سے قلم پیدا کیا اور دوسرے سے لوح اور تیسرے سے عرش۔ الحدیث ؎

از ظلمات عدم راہ کہ بردے بروں گر نہ شدے نُور تو شمع روان ہمہ

حضرت پیدائش آدم سے پہلے نبی تھے

احمد بیہقی اور حاکم نے عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بیشک میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین ہو چکا تھا۔ اور آدم علیہ السلام ہنوز اپنے خمیر ہی میں پڑے تھے۔ یعنی اُن کا پتلا بھی تیار نہ ہُوا تھا ؎

آدم سروتن در آب و گل داشت! کو حکم بملک جان و تن داشت

حضرت نے سب سے پہلے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کے جواب میں بلیٰ کہا

ابی سہل قطان کی امالی کے ایک جزو میں سہل بن صالح ہمدانی سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ میں نے ابوجعفر محمد بن علی (یعنی امام محمد باقر) سے پوچھا۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو سب انبیاء سے تقدم کیسے ہو گیا۔ حالانکہ آپ سب کے آخر میں مبعوث ہوئے۔ انہوں نے جواب دیا۔ کہ جب اللہ تعالیٰ نے بنی آدم سے یعنی آن کی پشتوں

جس سے اُن کی اولاد کو عالم میثاق میں نکالا۔ اور اُن سب سے اُن کی ذات پر یہ اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ تو سب سے اول جواب میں بلیٰ (کیوں نہیں) محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا۔ اور اسی لئے آپ کو تمام انبیاء سے تقدم ہے۔ گو آپ سب سے آخر میں مبعوث ہوئے۔

حضرت کے خاندان کا سب سے افضل و اعلےٰ ہونا۔ صحیح ترمذی میں عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ میں محمد ہوں عبداللہ کا بیٹا۔ اور عبدالمطلب کا پوتا۔ اللہ تعالیٰ نے جو مخلوق کو پیدا کیا۔ تو مجھ کو اچھے گروہ میں بنایا یعنی انسان بنایا پھر انسان میں دو فرقے پیدا کئے۔ عرب اور عجم۔ مجھ کو اچھے فرقے یعنی عرب میں بنایا۔ پھر عرب میں کئی قبیلے بنائے اور مجھ کو سب سے اچھے قبیلے میں پیدا کیا۔ یعنی قریش میں۔ پھر قریش میں کئی خاندان بنائے اور مجھ کو سب سے اچھے خاندان میں پیدا کیا۔ یعنی بنی ہاشم میں۔ پس میں ذاتی طور پر بھی سب سے اچھا ہوں۔ اور خاندان میں بھی سب سے اچھا ہوں۔ الحدیث

جبرائیل کا حضرت کی فضلیت کا اظہار کرنا دلائل ابو نعیم میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام نے کہا۔ میں تمام مشارق و مغارب میں پھرا میں نے کوئی شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل نہیں دیکھا۔ اور نہ کوئی خاندان بنی ہاشم سے افضل دیکھا۔ ولنعم ما قیل ؎

آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام ۔۔۔ بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

آنحضرت آدم کی پیدائش کے باعث ہوئے حاکم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک عرش پر لکھا دیکھا۔ اور اللہ تعالےٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ ہوتے۔ تو میں تم کو پیدا نہ کرتا۔

آدم کی خطا حضرت کی وسیلہ سے معاف ہوئی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے

مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے جب آدم علیہ السّلام سے خطا کا صدور ہُوا۔ تو انہوں نے جناب باری تعالیٰ میں عرض کیا کہ لے پروردگار! میں آپ سے بواسطہ محمّد (صلے اللہ علیہ وسلّم) کے درخواست کرتا ہوں کہ میری مغفرت کر دیجئے۔ اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے آدم! تم نے محمّد صلے اللہ علیہ وسلّم کو کس طرح پہچانا؟ حالانکہ ہنوز میں نے اُن کو پیدا بھی نہیں کیا۔ عرض کیا کہ اے رب! میں نے اس طرح سے پہچانا۔ کہ جب آپ نے مجھ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا۔ اور اپنی رُوح میرے اندر پھونکی تو میں نے سر جو اٹھایا۔ تو عرش کے پایوں پر یہ لکھا ہُوا دیکھا۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ سو میں نے معلوم کر لیا کہ آپ نے اپنے نام پاک کے ساتھ ایسے ہی شخص کے نام کو ملایا ہوگا جو آپ کے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ پیارا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے آدم! تم سچے ہو۔ فی الواقع وُہ میرے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ پیارے ہیں۔ اور جب تم نے اُن کے واسطہ سے مجھ سے درخواست کی ہے۔ تو میں نے تمہاری مغفرت کی۔ اور اگر محمّد صلے اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے۔ تو میں تم کو پیدا نہ کرتا۔ (روایت کیا بیہقی نے اپنے دلائل میں اور حاکم اور طبرانی نے)

آدم و حوّا کا مہر درود شریف مقرر کیا گیا۔

ابن الجوزی نے اپنی کتاب صلوٰۃ الاحزان میں ذکر کیا ہے کہ جب آدم علیہ السّلام نے حوّا علیہا السّلام سے قربت کا ارادہ کیا۔ تو انہوں نے مہر طلب کیا۔ آدم علیہ السّلام نے دُعا کی کہ اے پروردگار! میں ان کو مہر میں کیا چیز دُوں؟ ارشاد ہُوا کہ اے آدم! میرے حبیب محمّد بن عبد اللہ (صلے اللہ علیہ وسلّم) پر بیس دفعہ درود بھیجو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

حضرت کے صحابہ ابوبکر اور عمر اہل جنت کے سردار ہونگے

صحیح ترمذی میں انس رضی اللہ عنہ سے اور ابن ماجہ میں علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے۔ ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) بجز انبیاء و مرسلین کے تمام اگلے اور پچھلے میانہ عمر والے اہل جنت کے سردار ہوں گے۔ (یہ فضیلت بھی آپ کی فضیلت کے سبب سے ہے)

فاطمہ زہرا اہلِ جنّت کی عورتوں کی سردار ہونگی۔ اور حسن حسین نوجوانوں کے

صحیح ترمذی میں حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے ایک فرشتہ آیا ہے۔ جو اس شب سے قبل کبھی زمین پر نہیں آیا۔ اس نے اللہ تعالےٰ سے اجازت چاہی کہ مجھ کو آکر سلام کرے۔ اور مجھ کو بشارت دے۔ کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تمام اہلِ جنّت کی بیبیوں میں سردار ہونگی۔ اور حسن حسین رضی اللہ عنہما تمام اہلِ جنت کے جوانوں میں سردار ہونگے۔

حضرت کے اہلِ بیت سے محبت رکھنے کا حکم!

صحیح ترمذی میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے کہ اللہ تعالےٰ سے اس لئے محبت رکھو کہ وہ تمہیں کھانے کو نعمتیں دیتا ہے۔ اور مجھ سے محبت رکھو۔ اللہ تعالےٰ کے ساتھ محبت رکھنے کے سبب سے (یعنی اللہ تعالیٰ حبیب محبوب ہے۔ اور میں اُس کا رسول اور محبوب ہوں۔ اس لئے مجھ سے محبت رکھو) اور میرے اہل بیت سے محبت رکھو میرے ساتھ محبت رکھنے کے سبب سے۔ (یعنی جب میں محبوب ہوں۔ اور اہل بیت میرے منتسب و محبوب ہیں۔ تو اُن سے بھی محبت رکھو)

اہل بیت کی محبت موجبِ نجات ہے اور بغض و عداوت باعثِ ہلاکت

احمد نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم سے یہ فرماتے ہوئے سُنا۔ کہ میرے اہل بیت کی مثال تم میں ایسی ہے۔ جیسے نوح علیہ السّلام کی کشتی۔ جو شخص اس میں سوار ہوا۔ اُس کو نجات ہوئی۔ اور جو شخص اُس سے جدا رہا۔ ہلاک ہوا (یعنی اُن کی محبت و متابعت موجبِ نجات ہے۔ اور بغض و مخالفت سببِ ہلاکت ہے۔)

صحیح ترمذی میں زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے کہ میں تم میں ایسی دو چیزیں چھوڑتا ہوں۔ کہ اگر تم اُن کو تھامے رہوگے۔ تو کبھی میرے بعد گمراہ نہ ہوگے۔ اور اُن میں ایک چیز دوسری سے بڑی ہے۔ ایک تو کتابُ اللہ کہ وہ رسّی ہے آسمان سے زمین تک۔ اور دوسری میری عترت یعنی اہلِ بیت۔ اور ایک دوسرے سے کبھی جُدا

نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ دونوں میرے پاس حوض پر پہنچیں گے۔ سو ذرا خیال رکھنا کہ میرے بعد اُن دونوں سے کیا معاملہ کرتے ہو۔

جو شخص اہل بیت سے محبت نہیں رکھتا وہ کبھی مومن نہیں ہو سکتا!

ترمذی شریف میں عبد المطلب بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عباس رضی اللہ عنہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا کہ کسی شخص کے قلب میں ایمان داخل نہ ہوگا جب تک تم لوگوں سے (کہ میرے اہل بیت ہو) اللہ اور رسول کے واسطے محبت نہ رکھے۔

سوال۔ بعض سید صحیح النسب سُنّت کے خلاف ہوتے ہیں۔ تو کیا اُن سے بھی محبت رکھنی چاہیئے یا نہیں؟

جواب:۔ یہ محبت محض اللہ اور اُس کے رسول کے سبب سے ہے۔ جب کوئی شخص اللہ ورسول ہی کا مخالف ہے۔ تو اُس سے محبت بھی نہ ہوگی۔

صحابہ کرام تمام لوگوں سے بڑھکر ہیں

نسائی شریف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اصحاب کا اکرام کرو۔ کہ وہ تم سب میں بہتر ہیں۔

جس نے صحابہ کو ایذا دی گویا اُس نے حضرت کو ایذا دی

صحیح ترمذی میں عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اللہ سے ڈرو۔ میرے اصحاب کے بارے میں میرے بعد اُن کو نشانہ (اعتراضات کا) نہ بنانا۔ جو شخص اُن سے محبت کریگا۔ وہ میری محبت سے اُن سے محبت کریگا۔ اور جو شخص اُن سے بُغض رکھیگا۔ وہ میرے بُغض کی وجہ سے اُن سے بُغض رکھیگا۔ اور جو اُن کو ایذا دے گا۔ اُس نے مجھ کو ایذا دی۔ اور جس نے مجھ کو ایذا دی۔ اُس نے اللہ تعالےٰ کو ایذا دینے کا ارادہ کیا۔ اور جس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی بہت جلد اللہ تعالےٰ اُس کو پکڑے گا۔

صحابہ کی خیرات کے ثواب کے برابر کسی کو ثواب نہیں ملتا

صحیحین میں ابو سعید خدری رضی

اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے میرے اصحاب کو برا نہ کہو۔ کیونکہ اگر تم میں کوئی شخص اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کرے۔ تب بھی اُن صحابہ کے ایک مُد (۲۰ پاؤ) بلکہ نصف مُد کے درجہ کو بھی نہ پہنچے۔

ابوبکر اور عمر کی اقتداء کرنیکا حکم

صحیح ترمذی میں حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے۔ کہ ان دو شخصوں کی اقتداء کرنا جو میرے بعد ہوں گے۔ ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما۔

صحابہ کی اقتداء سے نجات ملتی ہے

رزین نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے میرے اصحاب مثل ستاروں کی ہیں جس کی اقتداء کرو گے ہدایت پاؤ گے۔ یہ فضیلت بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل سے ہے۔ جو کسی اور کو نصیب نہیں ہو سکتی۔

الحاصل وہ شخص جو عقل سلیم رکھتا ہے۔ مذکورہ بالا احادیث صحیحہ کے مطالعہ سے یہ نتیجہ نکال سکتا ہے۔ کہ واقعی حبیب خدا اشرف انبیاء اور ان کے خویش و اقارب اور دوست و آشنا کی شان و عظمت تمام مخلوق سے اعلےٰ اور ارفع ہے۔ اور آپ بے نظیر اور بے مثل انسان ہیں۔ کوئی شخص آپ کے مرتبہ کو اب تک نہ پہنچا ہے۔ اور نہ ہی پہنچ سکتا ہے ؎

سپردہ جا بتو ہر کس ز بزم بیروں رفت　　　　تو ئی بجائے ہمہ ہیچکس بجائے تو نیست

بعض بے ادب لوگ اپنی جہالت سے انبیاءؑ و اولیاءؒ کے ساتھ ہمسری کا دعوےٰ کرتے ہیں۔ ایسے نادانوں کے لئے مولانائے روم اپنی مثنوی میں کیا اچھا وعظ فرماتے ہیں۔ ؎

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر　　　　گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر
جملہ عالم زیں سبب گمراہ شد!　　　　کم کسے ز ابدال حق آگاہ شد!
اشقیاء را دیدۂ بینا نبود　　　　نیک و بد در دیدۂ شاں یکساں نمود
ہمسری با انبیاء برداشتند!　　　　اولیاء را ہمچو خود پنداشتند!
گفت اینک ما بشر ایشاں بشر　　　　ما و ایشاں بستۂ خوابیم و خور!!
ایں ندانستند ایشاں از عمیٰ!　　　　ہست فرقے درمیاں بے منتہا!!

یعنی بزرگوں کے افعال کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو۔ اگرچہ ظاہر میں دونوں فعل یکساں ہیں جس طرح شیر و شیر لکھنے میں یکساں ہیں۔ اکثر لوگ اسی وجہ سے خراب ہو گئے ہیں۔ کہ اولیاء اللہ کے حالات سے کم واقف ہوتے ہیں بشقی لوگوں کو دیدۂ بینا میسر نہ ہوئی۔ اچھے اور بُرے اُن کی نظر میں یکساں نظر آتے تھے۔ اسوجہ سے حضرات انبیاء علیہم السلام سے ہمسری کا دعوٰے کیا۔ اولیائے کرام کو اپنی مثل سمجھا۔ اور کہنے لگے۔ کہ ہم بھی بشر ہیں۔ یہ انبیاء بھی بشر ہیں ہم اور یہ دونوں خواب و خورش کے مقید ہیں۔ یہ ان کو کوری دل سے نظر نہ آیا کہ دونوں کے درمیان بے انتہا فرق ہے۔

اس کے بعد مولانا صاحب اس پر چند مثالیں بیان فرماتے ہیں۔ سے

ہر دو یک گُل خورد زنبور و نحل	لیک زیں شد نیش وزاں دیگر عسل
ہر دو گوں آہو گیا خوردند و آب	زیں یکے سرگیں شد و زاں مشک ناب
ہر دو نے خوردند از یک آب خور	آں یکے خالی و آں پُر از شکر!
صد ہزاراں ایں چنیں اشباہ بیں	فرق شاں ہفتاد سالہ راہ بیں!

مثالِ اوّل۔ دونوں قسم کے زنبور ایک ہی قسم کے پھول چوستے ہیں۔ یعنی جس طرح کے پھول ایک کی غذا ہیں۔ وُہی دوسرے کی۔ مگر ایک کے صرف نیش پیدا ہوتا ہے۔ اور دوسرے سے شہد پیدا ہوتا ہے۔

دوسری مثال۔ دونوں قسم کے آہو یہی گھاس اور پانی کھاتے اور پیتے ہیں۔ ایک سے صرف سرگین پیدا ہوتا ہے۔ اور دوسرے سے مشک خالص حاصل ہوتا ہے۔

تیسری مثال۔ دونوں قسم کے نے ایک ہی گھاٹ پانی پیتے ہیں۔ مگر ایک تو خالی یعنی نرکل اور دوسرا شکر سے پُر ہوتا ہے یعنی نیشکر۔ اسی طرح لاکھوں نظائر دیکھ لو۔ اور ان میں بہت سا فرق ملاحظہ کرلو۔ خلاصہ یہ کہ دو چیزوں کے کسی ایک امر میں شریک ہونے سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ وہ باقی تمام پہلوؤں سے بھی یکساں ہیں۔ سے

ایں خورد گردد پلیدی زو جدا	واں خورد گردد ہمہ نورِ خدا!
ایں خورد زاید ہمہ بخل و حسد	واں خورد زائد ہمہ عشقِ اَحد!

یعنی اس طرح سمجھ لو۔ کہ اشقیاء اور اتقیاء میں بہت سا فرق ہے۔ ایک طعام کھاتا ہے تو اُس سے پلیدی و بُخل و حسد پیدا ہوتا ہے۔ اور دوسرا کھاتا ہے۔ تو اُس سے تمام تر نورِ خُدا یعنی عشق الٰہی پیدا ہوتا ہے۔

ایں زمین پاک واں شوراست وبد	ایں فرشتہ پاک واں دیواست و دَد
ہر دو صُورت گر بہم مانَد رواست	آب تلخ و آبِ شیریں را صفاست
جز کہ صاحب ذوق کہ شناسد شراب	او شناسد آبِ خوش از شورہ آب
جز کہ صاحب ذوق کہ شناسد طعوم	شہد را ناخوردہ کے داند زموم!

اس میں شقی اور سعید کے فرق کا بیان ہے۔ کہ ایک تو مثل پاکیزہ زمین کے ہے۔ یعنی سعید اور دُوسرا مثل زمین شور کے ہے یعنی شقی۔ اور اسی طرح ایک مانند فرشتہ کے ہے یعنی سعید اور دوسرا مثل شیطان و درندہ کے ہے یعنی شقی۔ اس تفاوت کے ساتھ بھی اگر ظاہراً دونوں میں مشابہت ہو۔ تو ممکن ہے دیکھو آبِ شور اور آبِ شیریں میں کتنا فرق ہے۔ مگر ظاہراً صفائی کی صفت دونوں میں ہے۔ اس فرق معنوی کو ہر شخص نہیں سمجھتا۔ مثلاً پینے کی چیزوں کو وہی پہچانیگا جس کی قوتِ ذائقہ درست ہو۔ اُسی کو تمیز ہوگی۔ کہ یہ شیریں پانی ہے اور یہ شور۔ اسی طرح مزوں کے تفاوت کو وہی پہچانیگا جس کی قوتِ ذائقہ صحیح ہو۔ اسی طرح شہد اور موم کے مزے کے فرق کو بے کھائے کب سمجھ سکتا ہے۔ حاصل یہ کہ اسی طرح جب تک ذوق باطنی صحیح نہ ہو۔ نیک و بد میں (جبکہ وہ ظاہر میں متشابہ ہوں) امتیاز نہیں ہو سکتا۔ ؎

کافراں دیدند احمد را بشر
ایں نمے دانند آں شق القمر

باب (۲) دوم

تعظیم و توقیر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کرنے کا لازمی حکم!

اللہ تعالٰے نے مسلمانوں پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور تعظیم کو لازم فرمایا ہے۔ چنانچہ سورہ فتح رکوع ۱ میں ارشاد فرمایا۔

اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰکَ شَاھِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیۡرًا ۙ لِّتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ وَ تُعَزِّرُوۡہُ وَ تُوَقِّرُوۡہُ ؕ لیعنی بیشک بھیجا ہم نے آپ کو (اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم، گواہ (کہ اپنی اُمت کے احوال اور جملہ انبیاء کی تبلیغ رسالت پر قیامت کے روز گواہی دیں) اور خوشخبری دینے والے اور ڈر سنانیوالے۔ تاکہ تم لوگ ایمان لاؤ۔ اللہ تعالٰے اور اُس کے رسول پر اور تعظیم و توقیر کرو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی۔

ظاہراً اسیاق آیت شریف سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مبعوث کرنے سے آپ کی تعظیم و توقیر ایک مقصود اصلی ہے جس کو اللہ تعالٰے نے ایمان کے ساتھ لام علت کے تحت میں بیان فرمایا۔

نجات کا انحصار محض حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم پر ہے!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم کے بغیر نجات ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالٰے سورۃ اعراف رکوع ۹ میں ارشاد فرماتا ہے۔ فَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِہٖ وَ عَزَّرُوۡہُ وَ نَصَرُوۡہُ وَ اتَّبَعُوا النُّوۡرَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ مَعَہٗۤ ۙ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۔ یعنی۔ پس جو لوگ ایمان لائے اُن پر (یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر) اور تعظیم کی اُن کی۔ اور مدد دی اُن کو۔ اور پیروی کی اُس نور کی، کہ اُتارا گیا ہے۔ ان کے

ساتھ یعنی قرآن مجید۔ یہی لوگ نجات پانے والے ہیں۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم کے بغیر نجات ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ بلاغت کا یہ قاعدہ ہے۔ کہ جب مسند پر ضمیر آ گئے۔ تو وہ حصر کا افادہ کرتی ہے۔ چنانچہ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ کا مطلب یہ ہُوا۔ کہ رستگاری اور نجات خاص اُنہیں لوگوں کو ہے۔ جن میں یہ سب صفات مذکورہ بالا موجود ہوں۔ ؎

محمدؐ عربی کا بروئے ہر دو سرا است — کسیکہ خاکِ درش نیست خاک بر سر او

اللہ تعالیٰ کا حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ادب کا لحاظ رکھنا۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں متعدد مقام پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ادب و آداب کے بارے میں تاکید فرماتا ہے۔ چنانچہ سورۂ نور رکوع ۲ میں ارشاد فرماتا ہے

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ۔ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

یعنی اور ایسا کیوں نہ ہُوا۔ کہ جب تم نے اس کو سُنا تھا تو بول اُٹھتے۔ کہ نہیں لائق ہم کو کہ ایسی بات زبان پر لائیں۔ الٰہی تو پاک ہے۔ یہ تو بڑا بہتان ہے۔ اللہ تعالےٰ تم کو نصیحت کرتا ہے۔ کہ پھر کبھی ایسا نہ کرنا۔ اگر تم مُسلمان ہو۔

منافقوں نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی نسبت ایک ایسی بات مشہور کی تھی۔ جس کی حکایت بھی مذموم سمجھی جاتی ہے۔ جب ہر طرف اُس کا چرچا ہونے لگا۔ تو صحابہ کرام نے بھی اس خبر کو حیرت سے آپس میں ذکر کیا۔ ہر چند رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس امر میں نہایت حلم کو کام فرمایا۔ مگر اللہ تعالےٰ کو یہ کب گوارا تھا۔ کہ اپنے حبیب کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ناموس میں کسی قسم کا دھبہ مسلمانوں کے خیال میں لگے۔ چنانچہ اسی وقت غیرت کبریائی جوش میں آئی اور کمال عتاب سے فرمایا۔ کہ اس خبر کے سُنتے ہی تم نے یہ کیوں نہیں کہہ دیا۔ کہ یہ بُہتان ہے۔ پھر فرمایا۔ کہ خُدا تعالےٰ کا فضل تھا۔ کہ تم بچ گئے۔ ورنہ عذابِ شدید میں مبتلا کیے جاتے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۔ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَ

رَكْبُ بَنِيْ تَمِيْمٍ فَاَشَارَ اَحَدُهُمَا بِالْاَقْرَعِ بْنِ حَابِسٍ اَخِيْ بَنِيْ مُجَاشِعٍ وَاَشَارَ الْاٰخَرُ بِرَجُلٍ اٰخَرَ قَالَ نَافِعٌ لَا اَحْفَظُ اسْمَهٗ فَقَالَ اَبُوْ بَكْرٍ لِعُمَرَ مَا اَرَدْتَ اِلَّا خِلَافِيْ قَالَ مَا اَرَدْتُ خِلَافَكَ فَارْتَفَعَتْ اَصْوَاتُهُمَا فِيْ ذٰلِكَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ الْاٰيَة قَالَ ابْنُ الزُّبَيْرِ فَمَا كَانَ عُمَرُ يُسْمِعُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى يَسْتَفْهِمَهٗ ۔

(رواہ البخاری فی تفسیر سورۃ الحجرات)

بلند کیں۔ جبکہ آپ کے پاس قبیلہ بنی تمیم کے سوار آئے۔ ایک نے کہا کہ اقرع بن حابس جو قبیلہ بنی مجاشع میں سے ہے امیر مقرر ہو۔ دوسرے نے کسی اور کیلئے اشارہ کیا۔ نافع کہتے ہیں مجھ کو اُسکا نام یاد نہیں رہا۔ اسوقت ابوبکر نے عمر سے کہا۔ اس معاملہ میں تم صرف میری مخالفت کرتے ہو۔ عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ میں تمہاری مخالفت نہیں چاہتا۔ اس میں دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ مسلمانو! اپنی آوازیں بلند نہ کرو الخ ابن زبیر کا قول ہے۔ کہ پھر تو عمر کا یہ طریقہ ہوگیا۔ کہ جب تک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پوچھ نہ لیتے تھے کہ یہ تم نے کیا کہا۔ عمر کی کوئی بات سمجھ نہ سکتے تھے

(رواہ البخاری فی تفسیر سورۃ الحجرات)

(۲) عَنْ مُوْسٰى بْنِ اَنَسٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ افْتَقَدَ ثَابِتَ بْنَ قَيْسٍ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَا اَعْلَمُ لَكَ عِلْمَهٗ فَاَتَاهُ فَوَجَدَهٗ جَالِسًا فِيْ بَيْتِهٖ مُنَكِّسًا رَاْسَهٗ فَقَالَ لَهٗ مَا شَاْنُكَ فَقَالَ شَرٌّ كَانَ يَرْفَعُ صَوْتَهٗ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْ

موسیٰ بن انس نے انس بن مالک سے روایت کیا ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت بن قیس کو تلاش کیا۔ تو ایک شخص نے کہا۔ یا رسول اللہ! میں آپکے پاس اُن کی خبر لائے دیتا ہوں۔ چنانچہ گئے۔ تو اُن کو اپنے گھر میں سر جھکائے بیٹھے پایا۔ پوچھا۔ کہ تمہارا کیا حال ہے؟ ثابت نے کہا۔ بُرا حال ہے۔ میں اپنی آواز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے اُونچی رکھا کرتا تھا اس لئے میرے عمل نابود ہوگئے۔ اور میں دوزخی ہوگیا۔ پھر وہ شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَاَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَہٗ اَنَّہٗ قَالَ کَذَا وَکَذَا فَقَالَ مُوْسٰی فَرَجَعَ اِلَیْہِ الْمَرَّۃَ الْاٰخِرَۃَ بِبِشَارَۃٍ عَظِیْمَۃٍ فَقَالَ اذْہَبْ اِلَیْہِ فَقُلْ لَہٗ اِنَّکَ لَسْتَ مِنْ اَھْلِ النَّارِ وَلٰکِنَّکَ مِنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ ۔ (رواہ البخاری فی تفسیر سورۃ الحجرات)

کے پاس آیا۔ اور عرض کیا۔ کہ ثابت رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہیں۔ موسیٰ کا قول ہے۔ کہ وہ شخص ثابت کے پاس دوسری مرتبہ بہت بڑی بشارت لیکر گیا۔ آپ نے حکم دیا کہ ثابت سے کہہ دو۔ کہ تم دوزخیوں میں سے نہیں ہو۔ بلکہ جنتیوں میں سے ہو۔

(چنانچہ وہ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے الحمد) آیت کا یہ مطلب نہیں ہے جو ثابت رضی اللہ عنہ نے سمجھا۔ بلکہ بے ادبی سے شور کرنا پیغمبر کے روبرو منع ہے اور جس کی پیدائشی آواز بلند ہو۔ تو وہ معذور ہے۔

سبحان اللہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کیا باادب تھے۔ اور دل میں کسقدر خوف وخشیت تھی۔ ؎

لاتخافوا ہست نزلِ خائفاں! ہست درخور از برائے خائف آں

نے زدریا ترس و نے از موج و کف چوں شنیدی تو خطاب لاتخف

(۳) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍ قَالَ اسْتَاْذَنَ اَبُوْبَکْرٍ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَسَمِعَ صَوْتَ عَائِشَۃَ عَالِیًا فَلَمَّا دَخَلَ تَنَاوَلَھَا لِیَلْطِمَھَا وَقَالَ اَلَا اَرَاکِ تَرْفَعِیْنَ صَوْتَکِ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَحْجُزُہٗ وَخَرَجَ اَبُوْبَکْرٍ مُغْضَبًا فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کی اجازت چاہی اور اتفاقاً عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بڑی آواز سے بولتی سُنا۔ آپ نے گھر میں جاکر عائشہ کو طمانچہ مارنے کے لئے پکڑا اور یہ کہا میں تم کو دیکھتا ہوں کہ اپنی آواز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی آواز سے اونچی رکھتی ہو۔ اسوقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

حِينَ خَرَجَ أَبُوبَكْرٍ كَيْفَ رَأَيْتَنِي أَنْقَذْتُكَ مِنَ الرَّجُلِ قَالَ فَمَكَثَ أَبُوبَكْرٍ أَيَّامًا ثُمَّ اسْتَأْذَنَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَهُمَا قَدِ اصْطَلَحَا فَقَالَ لَهُمَا أَدْخِلَانِي فِي سِلْمِكُمَا كَمَا أَدْخَلْتُمَانِي فِي حَرْبِكُمَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ فَعَلْنَا قَدْ فَعَلْنَا ۔

رواه أبو داود في (كتاب الأدب)

ابوبکر صدیق کو روکتے رہے۔ اور ابوبکر خفا ہو کر چلے گئے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق کے چلے جانے کے بعد فرمایا۔ کیوں دیکھا میں نے تم کو ایک مرد کے ہاتھ سے بچا لیا۔ نعمان کا قول ہے کہ ابوبکر صدیق نے چند یوم توقف کیا اور ایک دن پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپکی اجازت چاہی۔ اور یہ دیکھا۔ کہ دونوں نے صلح کر لی ہے۔ ابوبکر نے کہا جس طرح تم دونوں نے مجھے اپنی لڑائی میں دخیل کر لیا تھا صلح میں بھی کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اچھا ہمیں منظور ہے۔ اچھا ہمیں منظور ہے۔ روایت کیا اسکو ابوداؤد نے کتاب الادب میں

الحاصل غور کرنے کا مقام ہے۔ کہ صرف اتنی بے ادبی کہ بات کہنے میں آواز بلند ہو جائے اس کی یہ سزا ٹھہرائی گئی کہ صحابہ کرام کے تمام اعمال اور عمر بھر کی جانفشانیاں حبط اور اکارت ہو جائیں جن کے ایک عمل کے برابر ہماری ساری عمر کے اعمال نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ صحیح حدیثوں میں وارد ہے کہ اگر کوئی شخص کوہ احد کے برابر سونا خیرات کرے۔ تو صحابی کی ایک مد بلکہ آدھی مد کے برابر نہیں ہو سکتا جس کا وزن پاؤ سیر سے کچھ زیادہ ہوتا ہے۔ پھر اس سزا کو دیکھئے۔ تو وہ سزا ہے جو کافروں کے واسطے مقرر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالے سورۃ توبہ رکوع ۳ میں فرماتا ہے۔ أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ وَفِي النَّارِ هُمْ خَالِدُونَ ۔ یعنی یہ وہی لوگ ہیں کہ اکارت ہو گئے ان کے اعمال اور یہی لوگ آگ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

اب یہ معلوم کرنا چاہیئے۔ کہ اس کا منشا کیا تھا۔ یہ بات ظاہر ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حلم کچھ اس قدر بڑھا ہوا تھا۔ کہ بلند آواز سے بات کرنا تو کیا کافروں نے دندان مبارک کو شہید کر دیا۔ اور طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں مگر کچھ نہ کہا۔ بلکہ اور دعائیں دیں شفا

تواضع کی یہ کیفیت تھی کہ بسا اوقات دست بوسی سے منع فرما دیا۔ اس ارشاد کے ساتھ کہ یہ عجمیوں کا طریقہ ہے کہ اپنے سلاطین کی دست بوسی کیا کرتے ہیں۔ اور میں ایک شخص تمہیں میں کا ہوں۔ حالانکہ حدیث شریف سے دست بوسی بلکہ پابوسی ثابت ہے۔ (شفا) اگر کوئی تعظیم کے لئے اٹھنا چاہتا تو منع فرما دیتے۔ حالانکہ خود حدیث شریف سے اس قیام کی اجازت ثابت ہے۔ (شفا)

الحاصل اس قسم کی بے شمار حدیثیں ہیں جن سے ظاہر ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سی تواضع اور اخلاق دوسرے سے ممکن نہیں۔ اور کیونکر ہو سکے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وہ اخلاق تھے جنکی تعریف میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۔ یعنی یقیناً آپ بہت بڑے خلق پر ہیں"۔ اور خوش خلقی کا جزو اعظم یہی صفت ہے۔ کیونکہ یہ بات تو تجربہ سے بھی ظاہر ہے کہ جس میں تواضع نہیں ہوتی۔ وہ شخص خوش خلق نہیں ہوتا۔ اور جس شخص کے اخلاق درست ہوتے ہیں۔ اس میں تواضع ضرور ہوتی ہے۔

غرض حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تواضع اور خوش خلقی کی وجہ سے وہ آداب جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ متعلق ہیں مسلمانوں کو شرعاً معلوم ہونے کی کوئی صورت نہ تھی۔ سوائے اس کے کہ خود اللہ تعالےٰ اپنے کلام پاک میں بیان فرما دے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس آیت شریف میں ایک ادنےٰ سی بات کو ذکر فرمایا۔ کہ اگر کوئی شخص حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کے روبرو پکار کے بات کرے۔ اُس کے سارے اعمال اکارت اور برباد ہو جائیں گے۔ پس عقلمند کو چاہیئے کہ اس پر قیاس کر لے کہ جب ادنےٰ سی بے ادبی اور گستاخی کا انجام یہ ہو تو اور گستاخیوں کا کیا حال ہوگا۔

یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ اتنی سی گستاخی کی جو اسقدر سخت سزا ٹھہرائی گئی۔ اس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی کوئی درخواست نہ تھی۔ بلکہ اسکا منشا صرف غیرت الٰہی تھا کہ اپنے حبیب کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی کسر شان کسی قسم سے نہ ہونے پائے۔ اسی وجہ سے صحابہ کرام ہمیشہ خائف و ترساں رہتے تھے۔ کہ کہیں کوئی ایسی حرکت صادر نہ ہو جس سے غیرت الٰہی جوش میں آجائے۔

از خدا خواہیم توفیقِ ادب ؎ بے ادب محروم ماند از فضلِ رب

پھر جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام اس عالم سے تشریف لے گئے تو کیا ہو سکتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی محبوبیت میں یا غیرتِ کبریائی میں کوئی فرق آ گیا ہو۔ (نعوذ باللہ من ذٰلک) کوئی مسلمان اسکا قائل نہ ہو گا۔ کیونکہ صفاتِ الٰہیہ میں کسی قسم کا تغیر ممکن نہیں پس ہر مسلمان کو چاہیئے کہ آیت اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۰ (سورہ حجرات) یعنی ایسا نہ ہو کہ اکارت ہو جائے تمہارا سب کیا کرایا، اور تم کو خبر بھی نہ ہو) کو ہمیشہ پیش نظر رکھے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے ساتھ ظاہر اور باطن میں ایسا مؤدب رہے۔ جیسے صحابۂ کرام رہتے تھے۔ اور یہ نہ سمجھے کہ صرف حضور علیہ الصلوٰۃ و السّلام کے روبرو ہی ادب کی ضرورت تھی۔ اب نہیں ہے بلکہ اللہ تعالےٰ اپنے حبیب پاک کا ہمیشہ ہی حامی ہے۔

اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے روبرو صحابہ کا بلند آواز سے بات کرنا مستوجب سزا ٹھہرایا گیا تو موجودہ حالت میں ہمارے لئے حضور کے ذکر میں یا حضور کی حدیث کے بیان میں بلند آواز سے بولنا اور آپ کی شانِ ادب کو ملحوظ نہ رکھنا جرم کا مترادف ہے۔ ع

ذکرِ حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پیش دستی کرنے کی ممانعت

رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم سے کسی حالت میں بھی پیش دستی یا سبقت کرنے کی اجازت نہیں چنانچہ اللہ تعالےٰ سورہ حجرات ۴ میں ارشاد فرماتا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۰ یعنی اے ایمان والو! پیش دستی نہ کرو اللہ اور اُس کے رسول کے روبرو۔ اور ڈرو اللہ سے۔ بیشک اللہ سنتا جانتا ہے۔

شانِ نزول

اس آیت کا شانِ نزول اس طرح پر ہے کہ چند لوگوں نے رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم کے قربانی کرنے سے پہلے عید الاضحیٰ کو قربانیاں کر لیں۔ اس امر کی مخالفت میں یہ آیت نازل ہوئی۔ گویا انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام پر سبقت

کرنے سے منع فرمایا۔ کہ اے ایمان والو۔ قربانی نہ کرو۔ تم اپنے نبی کے قربانی کرنے سے پہلے۔ اور نہ روزہ رکھو تم اپنے نبی کے روزہ رکھنے سے پہلے۔ (روایت کیا اس کو جابر و عائشہ نے)
مقصود اس آیت سے مسلمانوں کو ادب سکھلاتا ہے کہ کسی قول و فعل میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پیش دستی نہیں کرنی چاہیئے۔
مسجد نبوی میں اگر کوئی شخص کچھ دریافت کرے۔ تو خود جواب نہ دے بیٹھے۔ بلکہ منتظر رہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیا جواب دیتے ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی بات کا اپنی طرف سے جواب دے دینا یا کسی کام کا کر بیٹھنا سب بے ادبی ہے۔ ؎

نگاہدار ادب در طریق عشق و نیاز — کہ گفتہ اند طریقت تمام او ادب است

اللہ تعالیٰ کا مومنوں کو طریق آداب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتلانا اور راعنا وغیرہ اہانت والے کلمات سے منع فرمانا۔

اللہ تعالےٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ادب مومنوں کو بتلاتا ہے کہ کوئی ذو معنیین لفظ جس کے ایک معنے توہین آمیز ہوں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بات چیت کرتے وقت استعمال نہ کیا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ سورہ بقر رکوع ۱۳ میں ارشاد فرماتا ہے۔
یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا وَ لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۔

ترجمہ:۔ اے ایمان والو راعنا نہ کہو اور یوں عرض کرو کہ حضور ہم پر نظر رکھیں اور پہلے ہی سے بغور سنو۔ اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

تفسیر درمنثور میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھ کر آپ کے پند و نصائح سنا کرتے تھے۔ اور جب کوئی بات اچھی طرح سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ تو راعنا کہتے تھے۔ یعنی ہماری رعایت کیجئے۔ اور مکرر فرمایئے یہودی کمبخت بھی یہی لفظ عین کے کسرہ کا اشباع کرکے کہتے تھے۔ راعینا۔ (یعنی اے ہمارے

چرواہے، معاذ رضی اللہ عنہ اس بات کو سمجھ گئے۔ اور ان کمبختوں سے کہنے لگے کہ اے دشمنانِ خُدا۔ اب اگر میں نے تم سے یہ لفظ سُنا۔ تو بخدا تم کو قتل کر ڈالوں گا۔ وہ بولے کہ تم خود بھی تو یہی کہتے ہو۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی جس کے معنی یہ ہیں۔ کہ اے مسلمانو تم اس لفظ رَاعِنَا ہی کو چھوڑ دو۔ جس کے دو معنے ہو سکتے ہیں۔ اگرچہ تم اچھے معنے میں اس کا استعمال کرتے ہو۔ لیکن کافروں کو وہ لفظ دوسرے معنے میں استعمال کرنے کا موقع ملجاتا ہے۔ لہٰذا اُنظُرْنَا کہا کرو۔ اور سُنا کرو۔ اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

غور کرنے کا مقام ہے۔ کہ اگرچہ کافر رَاعِنَا کی جگہ رَاعِیْنَا دبا کر کہتے تھے۔ مگر بیان واقعی تھا۔ کچھ غلط نہ تھا۔ یعنی فی الواقعہ آپ نے بکریاں چرائی ہیں۔ اور ایک آپ پر ہی کیا منحصر ہے حضرت یوسف، حضرت موسیٰ علیہما السلام وغیرہما ہر نبی نے بکریاں چرائی ہیں۔ بلکہ بزرگان دین نے لکھا ہے۔ کہ ہر نبی کا راعئِ غنم ہونا حکمتِ الٰہیہ پر مبنی ہے تاکہ اس میں راعئِ اُمّت ہونے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ؎

بحکم آنکہ اُمّت پروری را | شبان لائق بود پیغمبری را
چو یوسف با ہزاراں کامرانی | ہمیں دستِ تمنائے شبانی

مُسلمان تو فقط رَاعِنَا کہتے تھے۔ کافروں کے معنے مقصود کا تصور اُن کے دل میں نہ تھا۔ پھر ممانعت کی گئی۔ تو اس کی وجہ کیا تھی؟ وجہ یہ تھی کہ گو رَاعِنَا یا رَاعِیْنَا کسی معنی میں بھی نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے موجبِ توہین نہ تھا۔ مگر کُفار کا اس کو موجبِ توہین سمجھ کر استعمال کرنا بھی غیرتِ الٰہیہ کو گوارا نہ ہُوا۔ اور مسلمانوں کی زبان سے ایک ایسے لفظ کا استعمال بھی ناپسند ٹھہرایا گیا۔ جو اگرچہ کسی پہلو سے بھی موجبِ اہانت نہیں۔ مگر کُفار کے اختیار کردہ لفظ کے ساتھ اس کو لفظی اشتراک ہے۔ یہ آپ کے لئے کمال رعایت ادب ہے ؎

باصاف ضمیراں بادب باش کہ بسیار | از آب گہر آئینہ زنگار گرفت است

غرض ہرچند صحابہ کرام اس لفظ کو نیک نیتی سے تعظیم کے محل میں استعمال کیا کرتے تھے۔ مگر چونکہ دوسری زبانوں میں اسکا استعمال توہین کی غرض سے تھا۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے اس کے استعمال سے مُطلقاً منع فرمادیا۔ اب یہاں ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جس لفظ میں کنایۃً بھی

توہین مراد نہ تھی۔ بلکہ صرف دوسری زبان کے لحاظ سے اس کا استعمال ناجائز ٹھہرا۔ تو وہ الفاظ ناشائستہ جس میں صراحتہً کسرِ شان ہو کیونکر جائز ہوں گے۔ اگر کوئی کہے کہ مقصود ممانعت سے یہ تھا کہ یہود اس لفظ کو استعمال نہ کریں۔ تو ہم کہیں گے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے مگر اس میں شک نہیں کہ نہی صراحتہً خاص مومنین کو ہوئی جن کے نزدیک یہ لفظ محل تعظیم میں مستعمل تھا۔ اس میں نہ یہود کا ذکر ہے نہ اُن کے لغت کا۔ اگر صرف یہی مقصود ہوتا۔ تو شل اور اُن کی شرارتوں کے اس کا ذکر بھی یہیں ہو جاتا۔ صرف مومنین کو مخاطب کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے الفاظ کو نیک نیتی سے بھی استعمال کرنا درست نہیں۔ پھر اس کی سزا یہ ٹھہرائی گئی کہ جو شخص یہ لفظ کہے خواہ کافر ہو۔ یا مسلمان۔ اس کو قتل کر دیا جائے۔ بالفرض اگر کوئی مسلمان بھی یہ لفظ کہتا تو اس وجہ سے کہ وہ حکم عام تھا۔ بیشک مارا جاتا اور کوئی یہ نہ پوچھتا کہ تم نے اس سے کیا مُراد لی تھی۔

اب غور کرنا چاہیئے۔ کہ جو الفاظ خاص توہین کے محل میں استعمال ہوتے ہیں۔ بھلا وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت استعمال کرنا خواہ صراحتہً ہو یا کنایتہً کس درجہ قبیح اور مذموم ہونگے۔ اگر صحابہ کرام کے روبرو جن کے نزدیک راعنا کہنے والا مستوجب قتل تھا کوئی اس قسم کے الفاظ کہتا تو کیا اُس کے قتل میں کچھ تامل ہوتا۔ یا یہ تاویلات باردہ مفید ہو سکتیں۔ ہرگز نہیں۔ مگر اب کیا ہو سکتا ہے۔ سوائے اس کے کہ اُس زمانہ کو یاد کر کے اپنی بے بسی پر رویا کریں۔ اب وہ پُرانے خیالات والے تجربہ کار لوگ کہاں؟ جن کی حمیت نے اسلام کے جھنڈے مشرق و مغرب میں نصب کر دیئے تھے۔ ان خیالات کے جھلملاتے ہوئے چراغ کو آخری زمانہ کی ہوا دیکھ نہ سکی۔ غرض میدان خالی پا کر جس کا جی چاہتا ہے۔ کمال جرأت کے ساتھ کہہ دیتا ہے۔ پھر اس دلیری کو دیکھئے۔ کہ وہ گستاخیاں اور بے ادبیاں جو قابل سزا تھیں انھیں پر ایمان کی بنا قائم کی جا رہی ہے۔ جب ایمان یہ ہو تو بے ایمانی کا مضمون سمجھنے میں البتہ غور و تامل درکار ہے ؎

گر تو ہستی طالب راہِ ہُدےٰ ۔۔۔ ذرہ ذرہ کُن ادب با کبریا!
در ہمہ کردار با اخلاصِ رب ۔۔۔ استقامت دار در راہِ ادب

ہر چہ فرماید ترا شرعِ رسول !! یک سرِ موزاں ستمے باید عدول !

اے پسر ہرگز مکن ترکِ ادب ! تا نیفتی از مقامِ قربِ رب

مرد یابد از ادب راہِ ہدے بلکہ یابد از ادب قربِ خدا !

از ادب زندیق صدیقے شود بے ادب صدیق زندیقے شود

گر ادب در جملہ شے داری نگاہ بیگماں گردی زخاصانِ اللہ

حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کو نام سے پکارنے کی ممانعت

اُممِ سابقہ اپنے انبیاء کو نام لے کر پکارا کرتیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے (۱) اسباط نے کہا۔ یٰمُوْسٰی لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ ہ (سورہ بقرہ رکوع ۷) یعنی اے موسٰی ہم ہرگز نہ رہیں گے ایک کھانے پر۔ (۲) حواریوں نے کہا۔ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ھَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّکَ اَنْ یُّنَزِّلَ عَلَیْنَا مَآئِدَۃً مِّنَ السَّمَآءِ۔ (سورہ مائدہ رکوع ۱۵) یعنی اے مریم کے بیٹے عیسٰی۔ کیا تمہارے پروردگار سے ہوسکیگا کہ ہم پر آسمان سے بھرا خوان اتارے۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ پاک کی تعظیم وتوقیر کے لئے اُمّتِ محمّدیہ کو ان کا نام لیکر پکارنے سے منع فرمایا چنانچہ سورۂ نور رکوع ۹ میں ہے۔ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا ط یعنی مسلمانو! رسول کے بلانے کا وہ طریقہ اختیار نہ کرو، جیسے آپس میں تم میں ایک دوسرے کو بلایا کرتا ہے۔

تفسیر درِّ منثور میں مرقوم ہے۔ کہ ابو نعیم عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں یوں رقمطراز ہیں۔ کہ پہلے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو یا محمّد۔ یا ابا القاسم (یعنی بحسبِ عرف صرف نام وکنیت کے ساتھ) کہہ کر بلاتے تھے۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی کی تعظیم کی خاطر نام سے پکارنے کو منع فرمایا تب سے صحابۂ کرام نے یا نبی اللہ یا رسول اللہ کہنا شروع کیا۔ مقصد یہ کہ عجز ونیاز کے ساتھ پکارا کریں جس سے حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کی تعظیم و تکریم ظاہر ہو۔

دیکھئے۔ اللہ تعالیٰ کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کا نام لے کر پکارنا بھی سخت ناگوار

لذرا۔ اور کہا کہ میرے محبوب کا نام لینا بھی بے ادبی میں داخل ہے۔

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لیکر پکارنا نہ صرف منع ہے بلکہ حرام ہے۔

واقعی انصاف یہی ہے کہ جب اللہ تعالے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو نام لیکر نہ پکارے تو غلام کی کیا مجال ہے کہ آقا کا نام لیکر پکارے۔

اللہ تعالے کا تمام انبیاء کو نام سے پکارنا مگر اپنے حبیب کو نہیں!

اللہ تعالے نے قرآن مجید میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ذاتی نام کے ساتھ کہیں بھی مخاطب نہیں کیا۔ بلکہ جب کہیں خطاب کیا۔ تو صفات کمالیہ ہی سے یاد کیا جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالے کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی کمال درجہ کی عظمت و بزرگی معلوم کرانا منظور ہے۔ ورنہ حضرت آدم علیہ السلام اور دیگر اولوالعزم انبیاء کو باوجود ان کی جلالت شان کے نام ہی کے ساتھ برابر خطاب کیا گیا چنانچہ

(۱) آدم علیہ السلام کو یوں پکارا۔

یَا اٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُکَ الْجَنَّۃَ۔ سورۃ بقر رکوع ۴ و سورہ اعراف رکوع ۲) — یعنی اے آدم رہ تو اور تیری بیوی جنت میں۔

یَا اٰدَم است با پدر انبیا خطاب — یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ خطاب محمدی است

(۲) نوح علیہ السلام کو اس طرح پکارا۔

یٰنُوْحُ اھْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا سورۃ ہود رکوع ۴) — یعنی اے نوح اتر بسلامتی کے ساتھ ہماری طرف سے)

(۳) حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یوں خطاب ہوا۔

یَا اِبْرَاھِیْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا (سورۃ والصّٰفّٰت ع ۳) — یعنی اے ابراہیم! بیشک تو نے سچ کر دکھایا خواب کو۔

(۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس طرح بلایا۔

يٰمُوْسٰىٓ ۝ اِنِّىٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ج (سورہ طٰہٰ ع ۱)

یعنی اے موسٰے! میں ہوں تیرا پروردگار۔ تو اُتار ڈال اپنی جوتیاں۔

(۵) حضرت عیسٰی علیہ السلام کو یوں پکارا۔

يٰعِيْسٰىٓ اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ (سورہ آل عمران رکوع ۶)

یعنی اے عیسٰی! میں دنیا میں تیرے رہنے کی مدت پوری کرونگا۔ اور تجھ کو اُٹھالوں گا اپنی جانب۔

(۶) حضرت داؤد علیہ السلام کو اس طرح پکارا۔

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ (سورۃ صٓ ع ۲)

یعنی اے داؤد! ہم نے تجھ کو بنایا نائب ملک میں۔

(۷) حضرت زکریا علیہ السلام کو یوں پکارا۔

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى لا (سورہ مریم ع ۱)

یعنی اے زکریا! ہم تجھے خوشی سناتے ہیں ایک لڑکے کی جس کا نام یحیٰی ہے۔

(۸) حضرت یحیٰی علیہ السلام کو اس طرح بلایا۔

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ط (سورہ مریم رکوع ۱)

یعنی اے یحیٰی پکڑ لے کتاب یعنی توریت کو مضبوطی سے۔

دیکھئے تمام پیغمبروں کو تو نام بنام پکارا گیا۔ مگر اپنے حبیب کریم علیہ الصلٰوۃ والتسلیم کو جہاں کہیں بھی پکارا۔ تو پیارے خطاب نرالے القاب سے ہی یاد فرمایا۔ جو صاف و صریح اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اُس کی بارگاہ عالی میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے زیادہ کوئی محبوب اور پیارا عزت و توقیر والا نہیں ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

(۱) يٰٓاَيُّهَا النَّبِىُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ (سورہ احزاب)

یعنی اے نبی! ہم نے بھیجے رسول کیا۔

(۲) يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ط (سورہ مائدہ ع ۱۰)

یعنی اے رسول! پہنچا دے وہ احکام جو تجھ پر اُترے تیرے پروردگار کی طرف سے۔

(۳) يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ نِّصْفَهُ أَوِ انقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ۝ أَوْ زِدْ عَلَيْهِ۔ (سورہ مزمل)

یعنی اے چادر اوڑھنے والے! کھڑا رہو رات کو مگر کسی رات کو نہ ہو، تو معاف ہے۔ آدھی رات تک کھڑا رہا کر۔ یا اس میں سے کچھ کم کر لے یا آدھی سے کچھ بڑھا دیا کر۔

(۴) يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ (سورہ مدثر)

یعنی اے لحاف میں لپٹے ہوئے، کھڑا ہو، لوگوں کو ڈرا، اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کر۔

(۵) يٰسٓ ۝ وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ ۝ إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝ (سورہ یٰسٓ)

یعنی اے سردار! قسم ہے قرآن محکم کی۔ بے شک تو پیغمبروں میں سے ہے۔

(۶) طٰهٰ ۝ مَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَىٰ ۝ (سورہ طٰہٰ)

یعنی اے چودھویں رات کے چاند! ہم نے تجھ پر قرآن اس لئے نہیں اُتارا، کہ تو مشقت اٹھائے۔

خلاصہ یہ ہے، کہ جب کوئی بادشاہ تمام اُمراء کو نام لیکر پکارے۔ اور ان میں سے خاص ایک کو یُوں ندا کرے کہ اے مقربِ بارگاہ۔ اے نائبِ سلطنت۔ اے صاحبِ عزت اے سردارِ مملکت، تو کیا کسی کو اس امر میں کسی طرح کا شک وشبہ باقی رہے گا کہ وہ بادشاہ کے نزدیک تمام عمائدِ سلطنت اور ارکینِ مملکت سے زیادہ محبوب و پیارا اور عزت و وجاہت والا ہے۔ نہ

القاب کیسے کیسے خدا نے کئے عطا!
حضرت رسول پاک کو قرآں میں جا بجا
یٰسٓ کہیں پکارا تو طٰہٰ کہیں کہا!
حٰمٓ و نوٓن اور کہیں والشمس والضحیٰ!
کیا میرا علم و عقل صفت آپ کی کروں!
تم سب پڑھو درود۔ میں ذکرِ نبی کروں

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا
عَلَىٰ رَسُولِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ!

۰

اللہ تعالیٰ کا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی نام کے بجائے وصفی نام لینے کا اصلی راز

نعت خوانی کا ثبوت

خطاب وصفی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ قرآن مجید میں گویا ایک قسم کا التزام نعت نبوی کا ذکر کیا ہے

اس لئے کہ ظاہر ہے۔ کہ مقصود ندا سے یہی ہوتا ہے کہ منادا اپنی ذات سے ندا کرنے والے کی طرف متوجہ ہو۔ تو چاہیئے کہ ندا ان الفاظ کے ساتھ ہو۔ جو منادیٰ کی ذات پر دلالت کریں۔ اس مقصود کے پورا کرنے میں علم یعنی نام درجۂ اول میں سمجھا جائے گا کیونکہ اصلی غرض اُس سے یہی ہے کہ ذات پر دلالت کرے۔ پھر کسی خاص صفت کے ساتھ ندا جو جائز ہے۔ اس کی یہی وجہ ہوگی کہ اُس سے ذات پر دلالت ہوجاتی ہے۔ جو اس مقام پر مقصود بالذات ہے۔ ورنہ معنی وصفی جو زائد علی الذات اور مقتضی تکاثرت ہیں۔ اس کو ندا کے ساتھ جو مقتضی تعین ہے کوئی مناسبت نہیں بہرحال منادیٰ کا اسم علم ذکر نہ کرکے اوصاف جو ذکر کیے جاتے ہیں۔ وہاں دو مقصود پیش نظر ہوتے ہیں۔ ایک توجہ منادیٰ کی، دوسری توصیف۔ اگرچہ باعتبار ندا کے توصیف ایک امر زائد ہے لیکن اس وجہ سے کہ قصداً اوصاف ذکر کیے جاتے ہیں۔ توصیف بھی وہاں ایک امر مستقل اور مقصود بالذات ہوجاتی ہے۔

اب اس تقریر کو ما نحن فیہ پر منطبق کیجیے کہ اللہ تعالےٰ نے جو اوصاف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ندا کے ساتھ ذکر کئے ہیں۔ اگرچہ وہاں ندا مقصود بالذات ہے مگر خاص اوصاف ہی کو ذکر کرنے سے معلوم ہُوا کہ نعت بھی ایک مقصود اصلی اور مستقل بالذات ہے۔ ورنہ مثل اور انبیاء علیہم السّلام کے نام مُبارک کے ساتھ ندا فرماتا۔ پھر جب تمام قرآن مجید میں یہ التزام کیا گیا تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کو کس قدر نعت شریف کا اہتمام منظور ہے۔ ؎

با وصافش رسیدن کے تواند انبیا را ورا — کہ تا نعتش نمیگوید نمے خواند خدا او را!

نعتیہ اشعار کے جواز کا ثبوت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جعدی رضی اللہ عنہ کو دعا دی۔ جب انہوں نے اشعار نعتیہ پڑھے چنانچہ مواہب اللدنیہ اور شرح زرقانی میں مرقوم ہے۔ کہ نابغہ جعدی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلے

اللہ علیہ وسلّم کے روبرو ایک طولانی قصیدہ پڑھا جس کے شعر قریب دوسو کے تھے جب وہ ان شعروں پر پہنچے۔ ؎

وَلَاخَیْرَ فِیْ حِلْمٍ اِذَا لَمْ یَکُنْ لَّهٗ   بَوَادِرُ تَحْمِیْ صَفْوَهٗ اَنْ یُّکَدَّرَا

وَلَاخَیْرَ فِیْ عِلْمٍ اِذَا لَمْ یَکُنْ لَّهٗ   حَلِیْمٌ اِذَا مَا اَوْرَدَ الْاَمْرَ اَصْدَرَا

"یعنی نہیں ہے حلم میں کچھ خیر جب نہ ہو اُس کے ساتھ حدت غضب جو بچائے اُس کے صافی کو مکدر ہونے سے۔ اور نہیں ہے علم میں کچھ خیر جب علم والا ایسا حلیم نہ ہو۔ کہ کوئی امر پیش آئے۔ تو اپنے کو مہلکوں سے روکے"۔

تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سن کر فرمایا کہ اللہ تعالےٰ تمہارے مُنہ کی مہر کو نہ توڑے یعنی تمہارے دانت نہ گریں۔ اور مُنہ کی رونق نہ بگڑے۔

راوی کہتے ہیں۔ کہ جعدی نے باوجودیکہ سو برس یا دو سو برس سے زیادہ عمر پائی۔ مگر اُن کے دانت سب اچھے تھے اور جب کوئی دانت اُن کا گرتا۔ تو اُس کی جگہ ایک نیا دانت نکل آتا۔

کرز بن اسامہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ کہ میں نے نابغہ کے دانت دیکھے۔ اولوں سے زیادہ سفید تھے۔ یہ اثر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دُعا کا تھا۔

اگرچہ جس مضمون پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خوش ہو کر دُعا دی۔ وہ ایک عام بات ہے کہ حلم کے ساتھ غضب اور علم کے ساتھ حلم ہونا چاہیئے لیکن چونکہ صحابہ کرام پر یہ بات ظاہر تھی کہ جیسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے علیٰ وجہ الکمال یہ صفتیں ظہور میں آتی ہیں۔ دوسروں سے ظہور میں آہی نہیں سکتی ہیں۔ اس لئے شاعر نے گو صراحۃً مصداق معین نہ کیا لیکن مقصود اس سے توصیف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی تھی جس کو حسب قول مشہور الکنایۃ ابلغ عن الصّراحۃ پیرایہ حکمت میں بیان کیا۔ الغرض ان دونوں شعروں میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کی نعت ایسے طور پر ہوئی کہ گویا ان صفات میں کوئی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شریک نہیں۔

(۷) رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم نے عبّاس رضی اللہ عنہ کو دعا دی۔ جب انہوں نے اشعار نعتیہ پڑھنے کی اجازت چاہی۔ چنانچہ مواہب اللدنیہ میں ہے۔ کہ جب عبّاس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ

مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔ تو اُنہوں نے عرض کی کہ کیا مجھے اجازت ہے کہ میں آپ کی مدح میں کچھ عرض کروں۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں کہو۔ اللہ تعالےٰ تمہارے مُنہ کی مُہر کو نہ توڑے۔ یعنی مُنہ کی رونق نہ بگڑے۔ پس اُنہوں نے ایک قصیدہ پڑھا جس کے چند اشعار یہ ہیں۔ ؎

مِنْ قَبْلِهَا طِبْتَ فِي الظِّلَالِ وَفِي ... مُسْتَوْدَعٍ حَيْثُ يُخْصَفُ الْوَرَقُ

ثُمَّ هَبَطْتَ الْبِلَادَ لَا بَشَرٌ ... أَنْتَ وَلَا مُضْغَةٌ وَّلَا عَلَقٌ!

یعنی پہلے اس کے خوش تھے آپ سایوں میں۔ اور اس ودیعت گاہ میں جہاں ملائے جاتے تھے پتے" یعنی آدم وحوّا علیہما السّلام کے جسم پر۔ اس آیت شریف کی طرف اشارہ ہے

وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ۔

پھر اترے آپ شہروں میں کہ نہ بشر تھے اور نہ آپ مضغہ۔

بَلْ نُطْفَةٌ تَرْكَبُ السَّفِيْنَ وَقَدْ ... أَلْجَمَ نَسْرًا وَّأَهْلَهُ الْغَرَقُ

بلکہ نطفہ تھے کہ سوار تھے کشتی میں اس حالت میں کہ لگام دی تھی غرق نے نسر کو (جو ایک بُت تھا) اور اُس کے پوجنے والوں کو۔ یعنی جب طوفان کا پانی اُن کے مُنہ میں داخل ہُوا تھا۔

وَرَدْتَ نَارَ الْخَلِيْلِ مُكْتَتِمًا! ... فِيْ صُلْبِهٖ أَنْتَ كَيْفَ تَحْتَرِقُ

آپ خلیل اللہ کی پُشت میں مخفی ہو کر آگ میں گئے۔ پھر کیونکر وہ جل سکتے تھے؟

وَأَنْتَ لَمَّا وُلِدْتَ أَشْرَقَتِ الْأَ ... رْضُ وَضَاءَتْ بِنُوْرِكَ الْأُفُقُ

فَنَحْنُ فِيْ ذٰلِكَ الضِّيَاءِ وَفِي النُّوْ ... رِ وَسُبُلَ الرَّشَادِ نَخْتَرِقُ

وَأَضَاءَ مِنْكَ الْوُجُوْدُ لَوْ دُسْنَا ... وَفَاحَ مِسْكًا وَنَشْرُكَ الْعَبِقُ

یعنی اور جب آپ پیدا ہوئے۔ تو روشن ہو گئی زمین۔ اور روشن ہو گیا آپ کے نور سے افق۔ ہم اسی روشنی اور نور میں ہیں۔ اور راستے ہدایت کے طے کیا کرتے ہیں۔ اور کُل وجود آپ سے روشن ہو گیا۔ اور مہک گیا۔ جیسے مشک مہکتا ہے۔ اور آپ کی خوشبو پائیدار ہے۔

(۳) حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام اخلاقی نظم سے خوش ہُوا کرتے تھے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لِحَسَّانٍ اِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ لَا يَزَالُ يُؤَيِّدُكَ مَا نَافَحْتَ عَنِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَقَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ هَجَاهُمْ حَسَّانُ فَشَفٰى وَاشْتَفٰى۔

(رواہ مسلم)

یعنی صحیح مسلم میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ کہ انہوں نے فرمایا۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حسان رضی اللہ عنہ سے یہ فرماتے ہوئے سنا۔ کہ جبرائیل علیہ السلام تمہاری تائید کیا کرتے ہیں جب تک تم اللہ اور رسول کیطرف سے مقابلہ کرتے ہو۔ اور فرمایا حسان رضی اللہ عنہ نے کفار کی ہجو کی جس سے شفا دی مسلمانوں کو۔ اور خود بھی شفا پائی یعنی سب کی تشفی ہوئی۔

جبرائیل علیہ السلام کا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو مدد دینا اسی وجہ سے تھا۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اشعار پسند تھے۔ اسی لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حسان رضی اللہ عنہ کے لئے مسجد شریف میں منبر رکھواتے تاکہ وہ اس پر بیٹھ کر اشعار نعتیہ پڑھیں۔ کعب اور ابن رواحہ رضی اللہ عنہما کو اگر یقین نہ ہوتا کہ اشعار نعتیہ کے پڑھنے کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پسند فرماتے ہیں۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روبرو اور حرم کعبہ میں اشعار پڑھنے پر کبھی مبادرت نہ کرتے۔

کعب ابن زہیر رضی اللہ عنہ نے جو اول حضوری میں قصیدہ پڑھا۔ اس سے بھی یہی ثابت ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اشعار نعتیہ کو پسند فرمانا مشہور عام تھا۔ ورنہ ایسی خطرناک حالت میں کہ صحابہ کرام اُن کے قتل کے درپے تھے۔ کعب رضی اللہ عنہ کبھی جرأت نہ کر سکتے۔ چنانچہ ایسا ہوا بھی۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پسند فرمایا۔ بلکہ صلہ عطا فرمایا۔

ابوایوب سختیانی کے عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت

ابوایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ کے عشق رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کیفیت علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی شفا میں یوں مرقوم ہے۔

قَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَدْ سُئِلَ عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ السَّخْتِیَانِیْ مَا

یعنی کسی نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ ابوایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ کا کیا حال تھا۔

حدثتکم عن احد الا وایوب افضل منہ وقال وحج حجتین فکنت ارمقہ ولا اسمع منہ غیر انہ کان اذا ذکر النبی صلے اللہ علیہ وسلم بکی حتی ارحمہ فلما رایت منہ ما رایت کتبت عنہ ۔

کہا۔ میرے اساتذہ میں جن کی روائتیں تم نے مجھ سے سُنی ہیں۔ ان سب سے وہ افضل ہیں انہوں نے دو حج کئے۔ اور میں اُن کا حال دیکھا کرتا تھا۔ اس مدت میں کوئی روایت اُن سے نہ لی مگر حالت ان کی یہ تھی۔ کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے تو اسقدر روتے۔ کہ مجھے اُن کے حال پر رحم آجاتا جب اُن کا یہ حال دیکھا۔ تو اُنکی شاگردی اختیار کی اور انکی حدیثیں لکھ لیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ابوایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ کو بنظر اس حالت کے جو ترجیح دیتے ہیں اور سب اساتذہ سے افضل کہتے ہیں، تو اس سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ اس بارے میں محدثین اور اکابر دین کے خیالات کس قسم کے تھے۔

اب ذرا سختیانی رحمۃ اللہ علیہ کے دل کی کیفیت کو خیال کیجئے کہ کس درجہ کی عظمت و محبت اور خدا جانے کون کون سی چیزیں اُن کے دل پر پورا تسلط کر لیتی تھیں جس سے وہ حالت پیدا ہو جاتی تھی جو اب سے بھی بڑھتی ہوئی ہے۔ یہ اثر اسی ذکر مبارک کا تھا جو مسلمانوں کے دلوں میں علی حسب مراتب ایمان کو تازہ کر دیا کرتا ہے۔ سبحان اللہ وہاں تو ذکر شریف سے وہ حالت پیدا ہو رہی ہے جو بڑے بڑے فاضل معاصروں سے افضل بنا دیتی ہے۔ اور یہاں ہنوز اس کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف پڑا ہوا ہے۔ بلکہ وہ تدبیریں نکالی جاتی ہیں کہ کہیں ذکر شریف کی مجلسیں نہ ہونے پائیں۔ اللہ تعالیٰ ان نام کے مسلمانوں کو رشد و ہدایت بخشے تاکہ وہ دوزخ کا ایندھن بننے سے بچ جائیں۔ ؎

کے بود یارب کہ رو در یثرب و بطحا کنم
گہ بمکہ منزل و گہ در مدینہ جا کنم

برکنارِ زمزم از دل برکشم یک زمزمہ
کز دو چشم خوں فشاں آں چشمہ را دریا کنم

صد ہزاراں دل دریں سودا برامروز شد
نیست صبرم بعد ازیں کامروز را فردا کنم

یارسول اللہ بسوئے خود مرا راہے نما!
تا ز فرقِ سر قدم سازم ز دیدہ پا کنم!

آرزوئے جنّت الماویٰ بروں کردم زدل | ختم این بس کہ برخاکِ درت ماویٰ کنم
خواہم از سودائے پابوست نہم سر در جہاں | یا بپایت سر نہم یا سر دریں سودا کنم!
ہر دم از شوق تو معذورم اگر یک لحظہ | جامی آسا نامۂ شوقے دگر انشا کنم!!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو گھر میں آواز دینے کی ممانعت!

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کو جب کہ آپؐ گھر میں تشریف فرما ہوں۔ تو آواز دینا ممنوع قرار پایا۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ سورۂ حجرات رکوع ۱ میں ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ. وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَیْهِمْ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ ؕ

"یعنی جو لوگ کہ تجھ کو حجروں کے باہر پکارتے ہیں۔ وہ اکثر بے وقوف ہیں۔ اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ تو اُن کی طرف از خود نکلتا۔ تو اُن کے حق میں بہتر تھا۔"

اس آیت کا شان نزول مفسّرین یوں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ قبیلہ بنی تمیم کے چند لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کے ملنے کی غرض سے مکان پر دوپہر کے وقت آئے۔ آپ اُس وقت سو رہے تھے۔ ان لوگوں نے اس طرح پکارنا شروع کیا۔ کہ اے محمّد (صلے اللہ علیہ وسلّم) ذرا باہر آؤ۔ تب اُن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ جس کا مطلب یہ ہے۔

یہ تعلیم ادب اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہے کہ کوئی شخص حاکم وقت اور بادشاہ کو اُن کے مکان سے اپنی غرض کے واسطے نہیں پُکار سکتا جب تک وہ خود بخود دربار میں نہ آئے۔ ایسی ہی رسالت کی تعظیم و تکریم کرنی چاہیئے۔

دیکھئے اِس آیت میں جن لوگوں نے حضور علیہ السّلام کے باہر آنے کا انتظار نہ کر کے پکارنا شروع کیا۔ ان کی نسبت ارشاد ہوتا ہے۔

اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ۔ یعنی وہ بے عقل ہیں۔ لہٰذا

بے ادبوں کا بیوقوف ہونا

اب یہ دیکھنا چاہیئے۔ کہ آیا اُن کے دماغوں میں کچھ فتور تھا جس کی وجہ سے ان کو بے عقل یا مجنون کہا گیا

یا کوئی اور سبب تھا۔ حالانکہ وہ دیوانے نہ تھے۔ بلکہ بڑے ہوشیار اور مدبر لوگ تھے جو منتخب ہو کر اس غرض سے آئے تھے۔ کہ شعر و سخن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شاعر اور خطیب پر سبقت لیجائیں۔ باوجود اس کے وہ بیوقوف بنائے جارہے ہیں لہٰذا معلوم ہُوا کہ اس کا منشا ہی کچھ اور ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ جب تک کسی کی عقل سلیم میں کجی نہیں ہوتی۔ وہ بزرگوں کی برابری کا دعویٰ نہیں کرتا۔ اگر کچھ بھی عقل ہو۔ تو آدمی سمجھ سکتا ہے۔ کہ برگزیدگانِ حق کے ساتھ برابری کیونکر ہو سکے گی۔ کیونکہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ!

الحاصل بیوقوفی کا اطلاق اس جماعت پر اسی وجہ سے ہُوا کہ بارگاہ رسالت میں بے ادبی سے پیش آئے۔ اگر کہا جائے کہ جائز ہے کہ کفر کی وجہ سے یہ اطلاق ہُوا ہو۔ جس سے عقل معاد کی نفی ہوگئی۔ تو ہم کہیں گے کہ اس آیت شریفہ میں کفر کا کہیں ذکر نہیں بلکہ یہ حکم ان لوگوں پر ہُوا۔ جو اس بے ادبی کے ساتھ متصف تھے۔ اور علم بلاغت و اصول میں مصرح ہے۔ کہ ایسے موقعوں میں وصف مسند الیہ کو تاثیر اور دخل ہُوا کرتا ہے۔ چنانچہ ابن تیمیہ نے بھی صارم المسلول میں لکھا ہے۔ پس ثابت ہُوا کہ اس حکم میں کفر کو دخل نہ تھا بلکہ اس کا مدار محض بے ادبی پر تھا۔

بلانے کا طریق ادب تفسیر روح البیان میں مرقوم ہے کہ صحابہ کرام کا یہ دستور تھا کہ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پکارنا منظور ہوتا تو ناخنوں سے دروازہ کو کھٹکھٹاتے۔

ابو عثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بزرگوں کی خدمت میں ادب سے بیٹھنا مدارج عُلیا تک پہنچاتا ہے۔ چنانچہ بعض علماء کا یہ حال تھا کہ اگر وہ کسی بزرگ کی خدمت میں جاتے تو بیٹھے رہتے۔ جب تک کہ وہ خود بخود نہ نکلتے

ابو عبید قاسم بن سلام رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے کسی عالم کا دروازہ نہیں کھٹکھٹایا

بلکہ جب کبھی گیا، تو انتظار میں بیٹھا رہتا۔ جب تک کہ وہ خود بخود نہ نکلتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۝ یعنی اور اگر وہ صبر کرتے۔ یہاں تک کہ تو نکلتا ان کی جانب۔ تو یہ اُن کے حق میں بہتر تھا۔

(سورہ حجرات ع ۱)

سبحان اللہ! علمائے حقانی کی رائے کیا ہی صائب ہوتی ہے۔ کہ بزرگوں کے ادب کرنے کو بھی اس آیت سے استنباط کیا۔

بہر حال معلوم ہُوا کہ اس آیت شریفہ سے عموماً بزرگانِ دین کی تعظیم اور اُن کا ادب مستفاد ہو سکتا ہے، مگر یہ بات شاید ہر ایک کی سمجھ میں نہ آئے گی۔ کیونکہ اس فہم کے لئے وہی لوگ خاص ہیں جن کی طبیعتیں ادب کے ساتھ مناسبت رکھتی ہیں ؎

گر ادب در جملہ شے داری نگاہ

بیگماں گردی ز خاصانِ الٰہ!

باب سوئم (۳)

بے ادبی کے نتائج

حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کسی طرح کی ایذا دینے والوں پر وعید شدید

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کسی طرح سے بھی ایذا دینا عذاب شدید کا باعث ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سورہ توبہ رکوع ۸ میں ارشاد فرماتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ٥

یعنی اور جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ کے رسول کو اُن کے لئے دردناک عذاب ہے۔

دیکھیے خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات سے فرمایا۔ جبکہ آپ اُن کی خوبی کا ذکر کرتے تھے۔ اور وہ کچھ کلمات خلافِ شان کہتی تھیں۔

لَا تُؤْذُوْنِيْ فِيْ عَائِشَةَ۔

یعنی تم نہ ایذا دو مجھکو عائشہ صدیقہ کے بارے میں تو ازواج مطہرات نے آپکو اذیت دینے سے اللہ تعالےٰ کی پناہ مانگی۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ آپ کی اذیت اللہ تعالےٰ کے حکم کی کچھ مخالفت پر منحصر نہیں ہے بلکہ کسی طرح پر بھی اذیت ہو۔ آیت کا مفہوم اس پر حاوی ہے۔

طلحہ صحابی کو ذرا سی بے ادبی کے باعث وعید شدید کا حکم

اللہ تعالےٰ کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذرا بھی تکلیف گوارا نہیں چنانچہ تفسیر درِ منثور میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو اُن کی چچا زاد بہن عائشہ رضی اللہ عنہا سے بات چیت کرتے دیکھا۔ تو آپ نے اُنکو

منع فرمایا۔ کہ آئندہ میں ایسا نہ دیکھوں۔ گو بات کوئی ناجائز نہ سہی۔ تاہم میری غیور طبیعت کو ناگوار ہے۔ طلحہ کو یہ بات شاق گذری اور باغوائے شیطان اُن کے منہ سے یہ کلمات نکلے۔ کہ لوگو۔ دیکھو۔ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) ہماری چچازاد بہنوں کو ہم سے پردہ کراتے ہیں۔ میں علی رؤس الاستشہاد کہتا ہوں کہ میں آپ کے وصال کے بعد اس سے ضرور نکاح کروں گا۔ تو اُسی وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ؁	یعنی اور تم کو سزاوار نہیں کہ ایذا دو اللہ کے رسول کو۔ اور نہ یہ کہ نکاح کرو۔ اس کی بیویوں سے اس کے بعد کبھی۔ بیشک یہ اللہ کے نزدیک بڑا گناہ ہے۔ (سورہ احزاب رکوع ۶)

اس آیت کے نزول پر طلحہ کو تنبیہ ہو گئی۔ اور اپنی غلطی سے پشیمان ہو کر بطور کفارہ ایک بردہ آزاد کیا۔ اور دس اونٹ جہاد میں دیئے اور پیدل حج کیا۔ (لباب النقول)

اس میں شک نہیں کہ کسی کے انتقال کے بعد اس کی عورت کے ساتھ نکاح کرنا عموماً جائز ہے اور جنہوں نے سادگی سے یہ بات کہی تھی۔ وہ صحابی تھے۔ لہٰذا اُن کی نسبت یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ کسی قسم کے خیال فاسد کی بنا پر یہ لفظ کہے ہوں۔ مگر باوجود اس کے جو یہ عتاب ہو رہا ہے۔ تو اس سے ظاہر ہے۔ کہ خیال بھی بے ادبی سے خالی نہ تھا کیونکہ اُنہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حرمت و غیرت کا کچھ خیال نہ کیا۔ اور یہ نہ سمجھا۔ کہ جو بات حضور علیہ الصلوٰۃ کی زندگی میں ضروری ہے۔ وُہی بات حضرت کے وصال کے بعد بھی ابدالآباد تک ہے۔

اب اس عتاب کو دیکھیے کہ اس میں کس قدر تشدد کیا گیا ہے کہ اس قسم کی بات کو صرف دل میں لانا بھی ایک امر خطرناک قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ اس موقع میں جو ارشاد ہے کہ "جو کچھ تم ظاہر کرو یا چھپاؤ۔ اللہ تعالےٰ سب جانتا ہے"۔ ظاہر ہے کہ اس سے مقصود تخویف ہے۔ ورنہ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝ (اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے) کہنے کی ظاہراً کوئی ضرورت نہ تھی۔ (بیہقی)

الحاصل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد ازواج مطہرات کا تمام اُمّت پر حرام ہونا اس پر دلیل واضح ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حرمت و تعظیم وصال شریف کے بعد بھی بحالِ خود ہے۔ اگر کہا جائے کہ ازواجِ مطہرات کا نکاح وصال شریف کے بعد اس لئے درست نہ تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام زندہ موجود ہیں۔ تو ہم کہیں گے کہ یہ امر واقعی ہے ہمیں بھی اس میں کچھ کلام نہیں لیکن یہ بات بھی محتاج دلیل نہیں کہ انبیاء علیہم السلام عموماً اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خصوصاً زندہ ہیں۔ مگر عالمِ برزخ میں زندہ ہیں۔ اور عالمِ شہادت کے احکام عالمِ برزخ میں جاری نہیں ہوسکتے۔ ورنہ عامہ مومنین جن کے مرنے کے بعد ان کی بیویوں سے دوسرے لوگ نکاح کرسکتے ہیں، جب ان میں سے کوئی شخص فی سبیل اللہ شہید ہوجاتا۔ تو اُن کی بیوی سے بھی کوئی شخص نکاح نہ کرسکتا کیونکہ شہیدوں کی حیات بھی نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ سورہ آل عمران رکوع ۱۷ میں ارشاد فرماتا ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۙ	یعنی اور (اے میرے حبیب) نہ خیال کرنا اُن کو جو مارے گئے اللہ کی راہ میں مرا ہوا۔ بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس اُن کو روزی ملتی ہے۔

جو لوگ جنگِ اُحد میں شہید ہوئے تھے۔ اُن کو اللہ تعالےٰ نے سبز پرندوں کی ہیئت میں بنا کر جنت کی نہروں پر اُڑنے اور چلنے پھرنے کا اختیار دیا۔ اور بڑے بڑے انعام فرمائے۔ تو انہوں نے اپنے اوپر یہ مہربانی کی نظر دیکھ کر اللہ تعالےٰ سے عرض کی۔ کہ یا اللہ العالمین! کاش! ان نعمتوں کی خبر ہمارے زندہ باقی ماندہ بھائیوں کو ہوجاتی۔ تو وہ جہاد میں مارے جانے سے خائف نہ ہوتے۔ بلکہ شوق سے لڑ کر شہادت حاصل کرتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی درخواست کے مطابق یہ آیت نازل کی۔ مگر شہیدوں کی زندگی کے باوجود ان کی بیویاں نکاح ثانی کرسکتی ہیں۔ کیونکہ شہدا اگرچہ زندہ ہوتے ہیں۔ مگر برزخ میں ہیں جس کے احکام جداگانہ ہیں۔

الحاصل نکاح مذکور کی ممانعت بر بناءِ حیات نبی نہیں۔ بلکہ محض اسوجہ سے تھی۔

کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزت و حرمت وصال کے بعد بھی دلوں میں متمکن رہے اور کوئی مسلمان اس قسم کا خیال بھی نہ کرے جس میں کسی قسم کی بے ادبی لازم آجائے۔ ؎

از خدا خواہیم توفیق ادب
بے ادب محروم ماند از فضلِ رب

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ادنیٰ ملال کا باعثِ عذاب ہونا

بعض لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عطا و کرم کو ظاہر نہ کرتے تھے۔ اس سے آپ کو ملال ہوتا تھا جس کا اثر یہ ہوتا کہ وہ عطیہ اُن کے حق میں آتشِ دوزخ بنا دیا جاتا۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔

عَنْ عُمَرَ قَالَ دَخَلَ رَجُلَانِ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَاہُ فِیْ شَیْءٍ فَدَعَا لَہُمَا بِدِیْنَارَیْنِ فَاِذَا ھُمَا یُثْنِیَانِ خَیْرًا فَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لٰکِنْ فُلَانٌ مَا یَقُوْلُ ذٰلِکَ وَلَقَدْ اَعْطَیْتُہٗ مَا بَیْنَ عَشَرَۃٍ اِلٰی مِائَۃٍ فَمَا یَقُوْلُ ذٰلِکَ فَاِنَّ اَحَدَکُمْ لَیَخْرُجُ بِصَدَقَتِہٖ مِنْ عِنْدِیْ مُتَأَبِّطًا وَاِنَّمَا ھِیَ لَہٗ نَارٌ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْفَ تُعْطِیْہِ وَقَدْ عَلِمْتَ اَنَّہٗ لَہٗ نَارٌ قَالَ فَمَا اَصْنَعُ یَأْبَوْنَ اِلَّا اَنْ یَّسْأَلُوْنِیْ وَیَأْبَی اللّٰہُ لِیَ الْبُخْلَ (رواہ الحاکم فی المستدرک)

یعنی حاکم نے مستدرک میں عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ دو شخصوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس حاضر ہو کر کچھ مانگا۔ آپ نے اُنکو دو دینار منگوا دیئے جس پر اُنہوں نے آپ کی صفت و ثناء کی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا یہ تو دو ہی دینار پر ثناء کرتے ہیں۔ میں نے فلاں شخص کو دس سے سو تک دیئے۔ مگر اس نے اس قسم کی ایک بات نہ کہی۔ کوئی آدمی ایسا ہوتا ہے کہ مجھ سے صدقہ لیکر بغل میں دبائے ہوئے باہر جاتا ہے وہ اس کے حق میں آگ ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! پھر آپ ایسے لوگوں کو کیوں دیتے ہیں حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ وہ اُنکے حق میں آگ ہے۔ فرمایا۔ کیا کروں، لوگ مجھ سے مانگنا نہیں چھوڑتے اور اللہ تعالٰے نہیں چاہتا کہ مجھ میں بخل پایا جائے۔

اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ کہ جب ادنے ناگوارئ خاطر اور ملال پر یہ نوبت یہانتک پہنچی تو ایذا رسانی کا کیا حال ہوگا۔

اللہ تعالےٰ سورۂ احزاب رکوع ۷ میں ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ لَھُمْ عَذَابًا مُّھِیْنًا ۝

یعنی جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو۔ لعنت کی اللہ تعالےٰ نے اُن پر دنیا اور آخرت میں۔ اور تیار کر رکھا ہے۔ ان کے واسطے ذلت کا عذاب۔

اگرچہ بظاہر اللہ تعالےٰ نے اپنی اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی کی یہ سزا مقرر فرمائی ہے۔ مگر درحقیقت کس کی مجال ہے کہ اللہ تعالےٰ کو کوئی ایذا پہنچا سکے چنانچہ اللہ تعالےٰ سورہ بقرہ رکوع ۱۴ میں ارشاد فرماتا ہے۔

لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کُلٌّ لَّہٗ قٰنِتُوْنَ ۝

یعنی اسی کا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے سب اُسی کے تابعدار ہیں۔

پس اس صورت میں یہ سزا دراصل صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو ایذا دینے کی ثابت ہوئی۔

تفسیر بیضاوی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اپنا نام مُبارک اس آیت شریف میں ذکر فرمایا ہے۔ اس سے مقصود محض حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی تعظیم ہے یا یُوں کہئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو ایذا دینا اللہ تعالیٰ کو ایذا دینا ہے چنانچہ کنز العمّال میں ہے۔

عَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اٰذٰی شَعْرَۃً مِّنِّیْ فَقَدْ اٰذَانِیْ وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللّٰہَ۔ (رواہ ابن عساکر)

یعنی علی کرم اللہ وجہہٗ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جس نے میرے ایک بال کو ایذا پہنچائی اس نے مجھ کو ایذا دی اور جس نے مجھ کو ایذا دی یقیناً اُس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم عدُولی سے عذاب کا نازل ہونا

جو کوئی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم کو نہیں مانتا۔ وہ عذاب شدید میں گرفتار ہوگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سورۂ نور کے

رکوع ۹ میں ارشاد فرماتا ہے۔

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۝

یعنی تو ڈرنا چاہیئے اُن لوگوں کو جو خلاف کرتے ہیں رسول کے حکم کا اس بات سے کہ اُن پر پڑے کوئی بلا۔ یا اُن کو دردناک عذاب پہنچے۔

اس آیت سے معلوم ہُوا کہ جو کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے حکم کو نہیں مانتا۔ اُس پر یا تو کوئی بلا نازل ہوگی۔ یا کوئی دردناک عذاب پہنچیگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سورۂ مزمل رکوع ۱ میں ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۥ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا۝ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا۝

یعنی ہم نے بھیجا ہے تمہاری طرف پیغمبر تم پر گواہی دینے والا جس طرح بھیجا فرعون کی طرف پیغمبر۔ تو فرعون نے پیغمبر کا کہا نہ مانا۔ پس ہم نے اسکو دھر پکڑا وبال کی پکڑ۔

مطلب یہ کہ اگر تم بھی رسول کی نافرمانی کروگے۔ تو عذاب میں گرفتار ہوگے۔

آنحضرت کی بددُعا کا اثر جس طرح موسیٰ علیہ السّلام کی بد دعا کا اثر ہُوا تھا۔ اسی طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کی بد دعا کا اثر ہوتا تھا چنانچہ سورۂ یونس میں موسیٰ علیہ السّلام کی بد دعا کے الفاظ یہ تھے۔

رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ۝ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا۔ (سورۂ یونس)

یعنی بار الٰہا! ملیامیٹ کردے ان کے مال اور سخت کردے ان کے دل کہ ایمان ہی نہ لائیں یہانتک کہ دیکھ لیں دردناک عذاب۔ اللہ نے فرمایا۔ کہ تم دونو بھائیوں کی دُعا قبول ہوچکی۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کی بددُعا کے دشمنوں میں سے ... بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں (۱) عتیبہ ابن ابی لہب نے آپ کے حق میں گستاخانہ کلمات کہے۔ تو آپ نے اس پر بددعا کی۔ کہ

اَللّٰهُمَّ سَلِّطْ عَلَيْهِ كَلْبًا

الٰہی اپنے درندوں میں سے ایک درندہ اس پر مسلط کردے

مِنْ کِلَابِكَ چنانچہ رات کو ایک شیر آیا اور لوگوں کے جم غفیر میں سے اکیلے عتبہ کو اٹھا کر لے گیا۔

(۲۸) ۹ ہجری میں نجد کا ظالم و بد کردار تاکم عامر بن طفیل حضور کے قتل کے ارادہ سے اپنے ایک مسلّح ساتھی سمیت مدینے آیا حضور میں پہنچکر گستاخانہ باتیں کرتا رہا۔ اور آپ وقار اور متانت سے جواب دیتے رہے۔ مگر حافظِ حقیقی کی حفظ و حمایت سے اُسکو اپنے مقصدِ بد میں کامیابی نہ ہو سکی۔ آخر ناکام و نامراد باہر نکلا۔ تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ عَامِرًا۔ الٰہی مجھ کو عامر کے شر سے بچا۔ اتنے میں آسمان سے بجلی گری عامر کا شمشیر بکف ساتھی وہیں ڈھیر ہو گیا اور خود عامر چند روز بعد مرضِ طاعون جہنم واصل ہوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بے ادبی سے لینے سے مُنہ کا ٹیڑھا ہو جانا

ایک بے ادب اور گستاخ شخص کا ذکر کرتے ہیں کہ اُس نے تمسخر اور ہنسی کے طور پر مُنہ چڑا کر حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کا نام لیا۔ اللہ تعالےٰ کو اپنے حبیبِ پاک کی شان میں اس شخص کی یہ بے ادبی اور گستاخی ناپسند آئی۔ اُسی وقت اللہ تبارک و تعالےٰ نے اس مردود کا مُنہ ٹیڑھا کر دیا چنانچہ مولانا روم اس قصّہ کو مثنوی معنوی میں یُوں ارقام فرماتے ہیں :۔

آں دہاں کژ کرد و از تسخر بخواند
مر محمدؐ را دہانش کژ بماند!

یعنی ایک شخص نے تمسخر سے مُنہ ٹیڑھا کر کے حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کا نام مُبارک لیا۔ تو اُس کا مُنہ ٹیڑھے کا ٹیڑھا رہ گیا۔

باز آمد کاے محمدؐ عفو کن!
اے ترا الطافِ حلم مِن لَّدُن!

یعنی جب یہ کیفیت ہوئی۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کے پاس دوڑا ہُوا آیا۔ اور کہا کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ نے آپ کو الطافِ حلم مِن لَّدُن کا دیا ہے۔

وَہَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً۔ (یعنی بخش تو اپنے پاس سے رحمت) مجھ پر لُطف و رحمت کرو۔ یعنی میرا قصور بلطف معاف کرو۔

من ترا افسوس مے کردم ز جہل
من بدم افسوس را منسوب و اہل

یعنی میں جہالت سے آپ سے استہزا کرتا تھا۔ درحقیقت میں خود تمسخر کے لائق اور اس

نسبت رکھتا تھا۔ ؎

چوں زجرأت توبہ کرد آں روئے زرد ! مرحمت فرمود سید عفو کرد

غرض جب اس زرد رو (شرمندہ) نے اپنی جرأت وگستاخی سے توبہ کی، تو آپ نے اُس پر رحم فرمایا، اور اُس کا قصور معاف کر دیا۔

جناب رسول اللہ علیہ وسلم رحمت ورافت کا بھی کامل ترین نمونہ تھے۔ کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے آپکو تمام فضائل وکمالات کا بالاترین نمونہ بنا کر بھیجا تھا۔

ایک دشمن کا منہ چڑا کر آپ کا نام لینا اور آپ کا اسکو بخش دینا تو معمولی بات ہے۔ آپ نے جانی دشمنوں کے قاتلانہ وار کر چکنے کے بعد اُن کی بھی جاں بخشی فرمائی ہے۔ ایک یہودن نے آپ کو گوشت میں زہر کھلانے کی سازش کی۔ راز افشا ہونے پر صحابہ نے اسکو قتل کرنا چاہا، آپ نے فرمایا، جانے دو۔

ایک دشمن تلوار کھینچ کر آپ کے سر پر آ پہنچا۔ جب کہ آپ مصروفِ خواب تھے۔ قدرتِ خدا! دشمن کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی۔ ادھر آپ بھی جاگ اُٹھے۔ تو اس کی تلوار آپ نے اُٹھالی اب وہ شخص مسکین بنکر گڑگڑانے لگا۔ تو آپ نے اُسکو چھوڑ دیا۔

ہبار بن اسود نے پتھر پھینک کر آپ کی دختر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو بحالتِ سفر مجروح کر دیا تھا۔ جس سے وہ اُونٹ سے گر پڑیں، اور حمل ساقط ہو گیا۔ فتح مکہ کے روز وہ سر جھکا کے حاضر ہُوا۔ تو آپ نے اُس کی جان بخشی فرمائی۔

وحشی نے آپ کے پیارے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو دھوکے سے قتل کیا تھا۔ جب اُس نے اپنی پشیمانی ظاہر کی۔ تو معاف کر دیا۔

ہندہ زوجہ ابی سفیان نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ نکال کر دانتوں میں چبایا تھا جب وہ بھی سرِ خجلت خم کئے ہوئے حاضر ہوئی۔ تو آپ نے درگذر فرمایا۔ ؎

آنکہ بر اعدا در رحمت کشاد ! مکہ را پیغام لاتثریب داد

کسریٰ شاہِ فارس کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ مُبارک کی بیحرمتی کرنے کے سبب مقتول ہونا

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ سے بادشاہوں کے نام فرامین لکھے

تو ایک فرمان کسریٰ شاہِ فارس کو بھی لکھا جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو دعوتِ اسلام دی تھی، اس بدبخت نے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نامۂ مبارک کو پڑھ کر غصّے سے پُرزے پُرزے کر دیا۔ یہ نامۂ مبارک کیا چاک کیا۔ گویا اس نے اپنی جان و تن کو چاک کیا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (سورۂ بقرہ رکوع ۶)

"یعنی اور ہم پر کوئی ظلم نہیں کر سکتا۔ بلکہ ہمارے نافرمان لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔"

غرض اس کمبخت نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نامۂ مبارک کو نہیں پھاڑا۔ بلکہ اپنی سلطنت کو حرفِ غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹا دیا چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بِكِتَابِهٖ رَجُلًا وَّاَمَرَهٗ اَنْ يَّدْفَعَهٗ اِلٰى عَظِيْمِ الْبَحْرَيْنِ فَدَفَعَهٗ عَظِيْمُ الْبَحْرَيْنِ اِلٰى كِسْرٰى فَلَمَّا قَرَاَهٗ مَزَّقَهٗ قَالَ فَدَعَا عَلَيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّمَزَّقُوْا كُلَّ مُمَزَّقٍ (رواہ البخاری)

یعنی تجرید بخاری کے باب علم میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کے ہاتھ اپنا خط عظیم بحرین کے دینے کو بھیجا عظیم بحرین نے وہ خط کسریٰ کو دیدیا جب کسریٰ نے اس کو پڑھا، تو پارہ پارہ کر دیا۔ پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن سب پر بددعا کی۔ کہ وہ بالکل ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں۔ آپ کی یہ دُعا قبول ہو گئی اور کسریٰ کا بیٹا شیرویہ اپنے باپ کے درپے قتل ہو گیا۔ ؎

ہرچہ آید برتو از ظلماتِ غم!
آں زبیباکی و گستاخیست ہم!
بُد ز گستاخی کسوفِ آفتاب
شد عزازیلے ز جرأت ردِّ باب

اپنے کیفرِ کردار سے غافل شاہِ فارس کے غرور نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نامۂ مبارک کو پھاڑ کر صبر نہ کیا۔ بلکہ اپنے صوبہ شاہ یمن کو حکم دیا کہ بہت جلد دو سپاہی بھیج کر اس نبوت کے مدعی کا سر اتار کر میرے پاس بھیجدے۔ یا زندہ گرفتار کر کے یہاں روانہ کر دے۔

شاہِ یمن نے بموجب حکم شاہ فارس کے دو قوی مسلح جوان مدینہ کی طرف حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے گرفتار کرنے یا شہید کرنے کے لئے بھیجے۔ یہ دو نو سپاہی جب مکہ معظمہ کے راستے مدینہ طیبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تلاش میں پہنچے۔ تو حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی کہ دو سپاہی فارس سے آپ کو شہید کرنے کے لئے آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میرے مہمانوں کو اچھے مکان میں اتارو۔ اور اعلےٰ درجہ کی مہمان نوازی کرو۔ تاکہ اُن کی تکان دور ہو جائے۔ سات دن تک اِن قاتلوں کی مہمان نوازی فرمائی۔ آٹھویں دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم دیا کہ آج میرے مہمانوں کو لا کر ہم سے ملاقات کراؤ۔ چنانچہ یہ دونو شخص حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رُعب سے اُن کے ہاتھوں میں رعشہ، پاؤں میں جنبش، زبان میں لکنت تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں بیٹھنے کے لئے فرمایا۔ مگر یہ لوگ بجائے بیٹھنے کے اوندھے منہ گر پڑے اس پر آپ نے انکو اُٹھا کر پوچھا کہ تم کہاں سے آئے ہو۔ اور کیا مطلب ہے؟ اُنہوں نے کہا کہ ہمیں شاہِ فارس نے آپ کے شہید کرنے کو بھیجا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارا بادشاہ آج رات کو قتل ہو گیا ہے۔ اُس کے بیٹے نے اُسکو قتل کر ڈالا، جاؤ۔ شاہِ یمن کو شاہِ فارس کے قتل کی خبر کر دو۔ شاہِ فارس کے قتل کی خبر سُن کر یہ دونو سپاہی آپ سے رخصت ہوئے۔ اور یمن کی راہ لی۔ جب شاہِ یمن کے پاس پہنچے۔ تو وہاں شاہِ فارس کے مرنے کی خبر پہلے پہنچ چکی تھی۔ اور اُس کی سلطنت روئے زمین سے جاتی رہی۔

جائے غور ہے۔ کہ جس اُمت کے رسول اپنے قاتلوں کو سات روز مہمان رکھیں۔ اور اعلےٰ درجہ کی مدارات کریں۔ افسوس! ان کی اُمت کے اخلاق ایسے خراب ہوں۔ کہ محسنِ حقیقی رب العالمین کے لئے زبانی شکر بھی نہ کریں ؎

ببیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بکجا

کفارِ مکہ کا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی کے باعث عذابِ شدید میں مبتلا ہونا

جب کفارِ مکہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صاحبزادوں کے انتقال کے بعد آپ کی ذاتِ بابرکات کو ابتر (بے نسل) کہا۔ تو اُس کے جواب میں اللہ تعالےٰ نے سورۂ کوثر میں یُوں ارشاد

فرمایا۔

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۔ یعنی جو تیرا دشمن ہے۔ وُہی بے نسل رہا۔

اس سورہ کا شان نزول اس طرح پر ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے دو صاحبزادے طیب وطاہر اُمّ المومنین خدیجۃ الکبریٰ کے بطن پاک سے تولد ہوئے۔ خدا کی قدرت ان دونوں صاحبزادوں کا انتقال یکے بعد دیگرے ہو گیا۔ اس پر کفار مکہ طعن سے کہنے لگے کہ اچھا ہُوا آگے کو محمد (صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی نسل منقطع ہو گئی۔ اب ان کا کوئی نام لیوا نہیں رہا۔ جو آئندہ اِن کے مذہب کی اشاعت کرے۔ اس لئے تمام رگڑے جھگڑے ختم ہو جائیں گے۔

ایک موقع پر عاص بن وائل مسجد الحرام میں داخل ہو رہا تھا۔ اُدھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے جا رہے تھے۔ تو باہم کچھ بات چیت ہوئی۔ مسجد الحرام کے اندر کچھ لوگ بیٹھے تھے۔ اُنہوں نے عاص سے پُوچھا کہ کس سے گفتگو کر رہے تھے۔ اس نے کہا۔ اس ابتر (بے نسل) سے بات کر رہا تھا۔ یہ بد باطن آپ کو ہمیشہ ابتر کے لفظ سے یاد کیا کرتا تھا۔ اسی کے متعلق یہ سورۃ نازل ہوئی ہے۔ بعض کے نزدیک یہ سورۃ کعب ابن اشرف یہودی کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ بہر حال دشمنوں کے اس کلام سے آپ کو سخت ملال اور رنج ہُوا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی و تشفی کے لئے یہ سورہ نازل فرمائی۔ کہ اگر آپ کے ہاں کوئی بیٹا نہیں، تو نہ سہی۔ کیونکہ قیامت تک جتنے مسلمان ہوں گے۔ وہ سب آپ کے ہی تو بیٹے ہیں۔ آپ ان سب کے روحانی باپ ہیں لیکن جو آپ کا دشمن تھا۔ وُہی بے اولاد رہا۔ چنانچہ عاص ابن وائل یا کعب ابن اشرف کا آج دُنیا میں کوئی نام لیوا نہیں۔ اوّل تو ان لوگوں کی نسل ہی نہیں۔ اگر بالفرض ہو بھی تو یقیناً خود اُن کو معلوم نہیں کہ ہمارا مورث اعلےٰ عاص یا کعب تھا۔ اور ابتر کا مفہوم اسی سے ثابت ہو جاتا ہے۔ بخلاف اس کے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شان و شوکت کا ڈنکا بلحاظ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ہر شہر اور ہر بستی میں پانچ وقت باآواز بلند بجتا ہے۔

ابولہب اور اسکی بیوی کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بے ادبی کے باعث عذاب میں مُبتلا ہونا

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اہانت خواہ صریح ہو یا ضمناً۔ اشارۃً

ہو، یا التزاماً، غرض کسی طرح ہو۔ اس سے کفر لازم آتا ہے چنانچہ بعض آیات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بے ادبی کرنے والوں پر سخت تہدید اور زجر و توبیخ پائی جاتی ہے۔ چنانچہ تفسیر عزیزی میں مرقوم ہے۔ کہ آدمی شرافت اور مال وجاہ پر مغرور نہ ہو۔ اور حقوقِ اذنِ الٰہی سے راہ ورسم درست رکھے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بموجب حکم اس آیت کے

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ (سورۃ شعراء) جس کا مطلب یہ ہے۔ "اور ڈرا اپنے قریب کے رشتہ داروں کو۔"

کوہ صفا پر چڑھ کر تمام قریش کو ہر قبیلہ کا نام لیکر اپنے چچا اور پھوپھی کو نام بنام پکار پکار کر عذابِ الٰہی کا ڈر سنا دیا کہ اے بنی ہاشم! اے بنی عبد المطلب! اے بنی عبد المناف! اے عباس! اپنا اپنا فکر کرو۔ تو ابولہب اپنے محاورے میں کہنے لگا۔

تَبًّا لَّکَ اَلِهٰذَا دَعَوْتَنَا ۔ یعنی تیری تباہی ہو۔ کیا تو نے یہی باتیں سنانے کیلئے ہمیں تکلیف دی

اس کے جواب میں سورۂ لہب نازل ہوئی۔ وہ یہ ہے۔

تَبَّتْ يَدَا اَبِیْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ ۔ مَاۤ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۔ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۔ وَّامْرَاَتُهٗ ۔ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۔ فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۔

یعنی دونو ہاتھ ٹوٹیں ابولہب کے اور ہلاک ہو۔ نہ تو اس کے کام اُس کا مال آیا۔ اور نہ اُس کی کمائی۔ وہ عنقریب داخل ہوگا شعلہ والی آگ میں۔ اور نیز اس کی جورو۔ جو لکڑیاں سر پر اُٹھاتی ہے۔ اُس کی گردن میں مونج کی رسّی ہے۔

یعنی قیامت کے دن اُس کے گلے میں رسّی کا پھندا ڈال کر اُس کو گھسیٹا جائے گا۔ اور اُس کی بے حرمتی کی جائے گی۔ یہ کم بخت دُنیا میں اسی عذاب میں مری۔ مارے حسرت کے لکڑیوں کا پُشتارہ سر پر اُٹھائے چلی آرہی تھی۔ کہ پُشتارہ گر گیا۔ اور اس کی رسّی گلے میں آگئی۔ اور گلا گھٹ کر مر گئی۔

یہ کمبخت رات کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے راستے میں کانٹے بچھایا کرتی تھی۔ کہ آپ جب علی الصباح اس راستے سے گذریں گے۔ تو بے خبری کے باعث کانٹے چبھیں گے۔

مہ سے ریختند در رہ تو خار و باہمہ! چوں گل شگفتہ بود رخِ جانفزائے تو

ابُوجہل کا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی کے باعث ذلیل ہوکر مرنا جب ابوجہل نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کیساتھ حد سے زیادہ بے ادبی اور گستاخی کرنی شروع کی یہاں تک کہ اُس نے یہ مصمم ارادہ کیا۔ کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم جس وقت سجدہ میں ہوں گے۔ تو میں اُن کا سر جسم سے الگ کر دوں گا۔ تو غیرتِ الٰہی نے اُسکو زیادہ مُہلت نہ دی۔ اور ارشاد فرمایا۔

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ۬ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ۙ — یعنی اگر باز نہ آئے گا تو ہم ضرور گھسیٹیں گے
نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۚ — چوٹی پکڑ کر۔ کیسی چوٹی۔ جھوٹی خطاکار۔

(سورۃ علق)

چنانچہ یہ شقی جنگِ بدر میں معاذ اور معوذ رضی اللہ عنہما دو انصاریوں کے ہاتھ سے واصلِ جہنم ہُوا۔ اور اُس کا سر کاٹ کر سر کے بالوں کو پکڑ کر کھینچتے ہوئے لائے۔ اور اس کا کان چھید کر اُس میں ایک رسّی ڈال کر گھسیٹتے ہوئے ایک ناپاک اور نجس کنوئیں میں پھینک دیا گیا ؎

از مکافاتِ عمل غافل مشو! — گندم از گندم بروید جَو ز جو!

ایک شخص کا حضرت امام ابوحنیفہ کی بے ادبی کے باعث غیبی تلوار سے مارا جانا منقول ہے۔ کہ ایک شخص امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آکر کہنے لگا کہ میں نے سُنا ہے۔ کہ آپ کے والد صاحب کا انتقال ہوگیا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ بیشک والد صاحب عرصہ ہُوا۔ رحلت فرما گئے ہیں۔ پھر اُس شخص نے کہا۔ کیا آپ کی والدہ ماجدہ زندہ ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں زندہ ہیں۔ پھر اُس نے کہا۔ میں نے سُنا ہے۔ کہ آپ کی والدہ ماجدہ بڑی خوبصورت اور حسینہ ہیں اس لئے میں اُن سے نکاح کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ آپ اُن کا نکاح میرے ساتھ کر دیجئے آپ نے یہ اہانت خیز سوال سُن کر صبر کیا۔ اور بتقاضائے اخلاق اس کو جواب دیا۔ تو یہ دیا کہ وُہ خود عاقلہ بالغہ ہیں۔ اُنہیں اپنے نکاح کا اختیار ہے۔ میں اُنکو مجبور نہیں کر سکتا۔ ہاں البتہ پوچھ سکتا ہوں۔ اُس مرد نے کہا۔ بہت اچھا۔ دریافت کیجئے۔ خدا کی شان آپ پوچھنے جا رہے تھے کہ پیچھے مُڑ کر جو دیکھا۔ تو اُس گستاخ کی گردن دھڑ سے الگ تھی۔ اللہ تعالےٰ کو اپنے دوست اور برگزیدہ کی عزت کی خاطر غیرت آئی۔ اُسی وقت اُس بدبخت کا سر تن سے الگ ہوگیا ؎

با بزرگاں مشو بجلم دلیر ۔ سپر آفتاب تیغ زن است !

اہانتِ رسول کا کفر ہونا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اہانت کرنا کفر ہے ۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ سورۂ فرقان کے پہلے رکوع میں فرماتا ہے ۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِى الْاَسْوَاقِ ؕ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۙ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ؕ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۔ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝

یعنی اور کافر کہنے لگے کہ یہ کیسا رسول ہے ۔ کہ کھانا کھاتا ہے ۔ اور بازاروں میں چلتا ہے ۔ کیوں نہیں اتارا گیا اس کی جانب کوئی فرشتہ کہ وہ بھی رہتا اس کے ساتھ ڈرانیوالا ۔ یا ڈالدیا جاتا اس کی طرف خزانہ یا اُس کے پاس باغ ہوتا کہ اُس میں سے کھایا کرتا ۔ اور ظالموں نے کہا کہ بس تم تو پیچھے پڑے ہوئے ہو ایک جادو زدہ مرد کے ۔ دیکھ کیسی بیان کیں تیرے لیے مثالیں پس گمراہ ہو گئے ۔ اب راہ نہیں پا سکتے ۔

کھانا کھانا ۔ بازاروں میں چلنا اور باغات وغیرہ کا نہ ہونا گو حسب بیان کفار امور واقعی ہیں ۔ مگر چونکہ اس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اہانت اور بے ادبی متضمن تھی ۔ اس لئے توبیخ نازل ہوئی ۔ پس ایسا کلام جس سے نبی علیہ السلام کی اہانت پائی جائے ضمناً یا التزاماً عمداً ہو ۔ یا سہواً ۔ غیر واقعی ہو ۔ یا واقعی کفر کو مستلزم ہے ۔

انبیاء سے استہزاء اور اہانت کرنا کفر ہے

کفر اور بے ادبی کے کلمات انبیاء علیہم السلام سے استہزاء ۔ اور استخفاف کرنا کفر ہے ۔ اور جو کوئی ایسا کرے ۔ وہ مرتد اور واجب القتل ہے ۔ چنانچہ

(۱) عینی شرح کنز میں مرقوم ہے ۔

مَنْ سَبَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْفُرُ فَيُقْتَلُ حَدًّا اَوْ لَا

یعنی وہ شخص جس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو گالی گلوچ دی ۔ تو وہ کافر ہُوا ۔ لہٰذا وہ

يُقْبَلُ تَوْبَتُهُ اَصْلًا۔

بطور سزا قتل کیا جائے اور اس کی توبہ ہرگز قبول نہیں ہو سکتی۔

(۲)۔ تاتار خانیہ میں مرقوم ہے۔

مَنْ عَابَ نَبِيًّا بِشَيْئٍ اَوْ لَمْ يَرْضَ بِسُنَّةِ نَبِيٍّ مِّنَ الْمُرْسَلِيْنَ فَقَدْ كَفَرَ فَمَنْ قَالَ لِرَجُلٍ اِحْلِقْ رَأْسَكَ وَاَقْلِمْ اَظْفَارَكَ فَاِنَّ هٰذَا سُنَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ذٰلِكَ الرَّجُلُ لَا اَفْعَلُ وَ اِنْ كَانَ سُنَّةً فَقَدْ كَفَرَ۔

یعنی جس شخص نے انبیاء میں سے کسی نبی کو عیب لگایا۔ وہ بیشک کافر ہؤا۔ پس اگر ایک آدمی نے دوسرے آدمی سے کہا۔ کہ اپنا سر منڈا اور ناخن کتروا کیونکہ یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سُنّت ہے۔ اور اُس نے کہا۔ کہ میں ایسا نہیں کرونگا اگرچہ سنّت ہو۔ تو وہ بے شک کافر ہُوا۔

(۳) در مختار میں مرقوم ہے۔

يُقْتَلُ وَلَا يُقْبَلُ تَوْبَتُهُ وَمَنْ شَكَّ فِيْ كُفْرِهٖ فَقَدْ كَفَرَ وَكَذٰلِكَ الْاِسْتِهْزَاءُ وَالْاِسْتِخْفَافُ بِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔

یعنی ایسا شخص قتل کیا جائے۔ اور ایسے شخص کی توبہ قبول نہیں ہو سکتی۔ اور جس نے اس کے کُفر میں شک کیا۔ وہ بھی کافر ہؤا اور اسی طرح کافر کرتا ہے مذاق کرنا اور ہلکا جاننا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شان کو

(۴) امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کدو کو دوست رکھتے تھے۔ اور دوسرا کہے۔ کہ میں اُسے دوست نہیں رکھتا تو تو ایسا کہنا کُفر ہے۔

(۵) چلپی میں مرقوم ہے۔ کہ جو کوئی اس طرح کہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا کپڑا میلا تھا۔ یا ناخن بڑے بڑے تھے۔ یا آپ کو شتربان کہے۔ تو وہ شخص کافر ہے۔ ایسا شخص قتل کر دیا جائے۔ یا اگر کوئی آپ کو بدصورت یا بد قطع ڈاڑھی والے سے تشبیہ دے۔ تو قتل کر دیا جائے۔

اگر کوئی شخص آپ کو بے ادبی کا لفظ خواہ نادانستہ خواہ نشہ میں کہے۔ تو وہ بھی قتل کر دیا جائے۔ ع

با خدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار

کتبِ عقائد میں ہے کہ اگر کوئی آپ کے موئے مبارک کو مویک بکافِ تصغیر کہے۔ تو وہ کہنے والا کافر ہو جاتا ہے۔ بلکہ جس چیز یا جس جانب آپ کو نسبت ہو۔ وہ بھی واجب التعظیم ہے چنانچہ مروی ہے۔ کہ ایک امیر نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں کہا کہ مدینہ کی مٹی ناقص ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اُسے تیس کوڑے لگائے۔ اور قید کیا۔ اور کہا۔ کہ یہ شخص اس بات سے گردن مارنے کے لائق ہو گیا۔

مروی ہے۔ کہ ایک شخص نے کہا تھا کہ مدینے کا دہی پتلا ہوتا ہے۔ اُس کو غیب سے آواز آئی۔ اے شخص تو مدینے سے نکل جا۔ تو مدینہ کے لائق نہیں ہے۔ جہاں عمدہ دہی ہے۔ وہاں جا کے رہو۔ فوراً اُس نے توبہ کی۔ اور بہت رویا ؎

از خدا خواہیم توفیقِ ادب! بے ادب محروم ماند از فضلِ رب

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت و بزرگی نہ کرنے سے آپ کو اذیت کا پہنچنا

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روبرو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تورات کا مطالعہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حالت متغیر ہو گئی اور چہرہ مبارک سے آثارِ غضب پیدا ہو گئے۔ باوجود خلقِ عظیم کے ایسے جلیل القدر صحابی پر عتاب فرمایا۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ اَتٰی رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِنُسْخَۃٍ مِّنَ التَّوْرَاۃِ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ھٰذِہٖ نُسْخَۃٌ مِّنَ التَّوْرَاۃِ فَسَکَتَ فَجَعَلَ یَقْرَأُ وَوَجْہُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَغَیَّرُ فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ ثَکِلَتْکَ الثَّوَاکِلُ مَا تَرٰی مَا بِوَجْہِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَنَظَرَ عُمَرُ اِلٰی وَجْہِ

یعنی دارمی میں جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ ایک دفعہ عمر رضی اللہ عنہ نے تورات کا نسخہ لا کر رسول اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں آ کر عرض کی۔ یا رسول اللہ! یہ تورات کا نسخہ ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خاموش ہو گئے۔ تو وہ لگے پڑھنے ادھر حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک متغیر ہونے لگا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے چہرۂ مبارک کو دیکھ کر عمر رضی اللہ عنہ کو کہا۔ عمر تم تباہ ہو گئے۔ کیا تم حضرت صلے اللہ علیہ وسلم

رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ غَضَبِ اللّٰہِ وَغَضَبِ رَسُوْلِہٖ رَضِیْنَا بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَّبِیًّا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَوْ بَدَا لَکُمْ مُوْسٰی فَاتَّبَعْتُمُوْہُ وَتَرَکْتُمُوْنِیْ لَضَلَلْتُمْ عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ وَلَوْ کَانَ مُوْسٰی حَیًّا وَ اَدْرَکَ نُبُوَّتِیْ لَاتَّبَعَنِیْ ۔

(رواہ الدارمی۔ مشکوٰۃ)

کے چہرۂ مبارک کو نہیں دیکھتے۔ معاً عمر رضی اللہ عنہ آپ کے چہرۂ مبارک کو دیکھ کر کہنے لگے۔ میں خدا و رسول کے غضب سے پناہ مانگتا ہوں۔ ہم اپنے پروردگار اور دین اسلام اور اپنے نبی محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے راضی ہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قسم ہے اللہ کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر موسےٰ علیہ السلام تم میں ظاہر ہوتے اور تم لوگ مجھے چھوڑ کر ان کی پیروی کرتے۔ تو تم ضرور گمراہ ہو جاتے۔ لیکن اگر موسےٰ علیہ السلام اسوقت موجود ہوتے۔ اور میری نبوت کے زمانہ کو پاتے۔ تو وہ بھی میری ہی اطاعت کرتے۔

اب ہر عقل سلیم والا سمجھ سکتا ہے۔ کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے صحابی کی صرف اتنی حرکت اس قدر ناگوار طبع غیور ہوئی۔ تو کسی اور کی اس تقریر سے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضائل میں شک ڈال دیتی ہے۔ کیسی اذیت پہنچتی ہوگی۔ کیا یہ ایذا رسانی خالی جائے گی۔ ہرگز نہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ سورۂ احزاب رکوع ۷ میں ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ لَہُمْ عَذَابًا مُّہِیْنًا ۔

یعنی جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ کو اور اس کے رسول کو لعنت کرے گا ان کو اللہ دنیا اور آخرت میں اور مہیا کر رکھا ہے ان کے واسطے ذلت کا عذاب۔

معلوم ہوا۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی اور گستاخی کرنے والے آخرت میں عذاب شدید میں مبتلا ہوں گے۔ اور دنیا میں بھی ان پر لعنت برستی رہے گی۔

بے ادبی اور گستاخی کے نقائص اور ضرر لانا موئے دوم

از خدا خواہیم توفیق ادب! بے ادب محروم ماند از لطف رب

مولانا فرماتے ہیں۔ کہ ہر وقت ہماری دُعا و تمنّا اللہ تعالےٰ سے یہی ہے۔ کہ ہم کو ادب کی توفیق دے۔ اس واسطے کہ بے ادب لطفِ رب سے محروم رہتا ہے۔

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد   بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد!

اور اگر فقط یہی ہو کہ وُہی محروم رہے تو رہے بلا سے۔ سو یہ نہیں بلکہ اُس کی بے ادبی تمام جہان کو پھونک کر خاک سیاہ کر دیتی ہے۔ بموجب مثل ہندی کے۔ کہ گیہوں کے پیچھے گھن پسجاتے ہیں۔ ؎

مائدہ از آسماں در مے رسید
بے شرا و بیع بے گفت و شنید

چنانچہ مولانا فرماتے ہیں کہ آسمان سے اچھا خاصا بے کلفت پکا پکایا کھانا آتا تھا بے خرید و فروخت۔ نہ کسی سے کہنا نہ سُننا۔ اور وہ من و سلوےٰ تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔

وَ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمُ الْمَنَّ وَ السَّلْوٰی۔ "ہم نے تم پر مَن اور سَلویٰ اتارا" کہ یہ بھی طعام ہی تھا۔

درمیانِ قومِ موسےٰ چند کس!   بے ادب گفتند کو سیر و عدس

آخر حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی قوم میں سے چند شخص بے ادب کہہ اُٹھے۔ کہ ہم سے یہ ایک کھانا نہیں کھایا جاتا۔ اور درخواست کی کہ ہمیں یہ چیزیں درکار ہیں۔

مِنْ بَقْلِهَا وَ قِثَّآئِهَا وَ فُوْمِهَا وَ عَدَسِهَا وَ بَصَلِهَا (پ ع)۔ یعنی ساگ پات اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز وغیرہ۔

منقطع شد خوان و نان از آسماں   ماند رنجِ زرع و بیل و داسماں

پس اس بے ادبی سے خوان و نان کا آنا آسمان سے موقوف ہوگیا اور یہ بکھیڑا کھیتی اور پھاوڑے ہنسیے کا سر پہ پڑا۔ ؎

باز عیسےٰ چوں شفاعت کرد حق!   خوان فرستاد و غنیمت بر طبق

الغرض اوپر کی کیفیت موسےٰ علیہ السّلام کے وقت تھی حضرت موسےٰ علیہ السّلام کے بعد حضرت عیسےٰ علیہ السّلام نے حسبِ درخواست حواریوں کے سفارش کی تو پھر اللہ

تبارک وتعالےٰ نے مفت کا خوان بر طبق اُن کو بھیجا جس میں روٹیاں اور گوشت خشک بریاں اور مچھلی شہد سرکہ نمک مرچ پسا ہُوا ایک ابر کے نوری ٹکڑے میں رکھا ہُوا۔ اور ایک ٹکڑے سے چھپا ہُوا آنے لگا۔ ؎

مائدہ از آسمان شُد عائدہ ! چونکہ گفت اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَائِدَہ

اور وُہی خوان اُن پر عائد ہُوا۔ اور لوٹا۔ جب حضرت عیسےٰ علیہ السّلام نے کہا۔

اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَائِدَۃً (سورہ مائدہ رکوع) یعنی اَے ہمارے پروردگار ! ہم پر خوان نازل کر۔

باز گستاخاں ادب بگذاشتند ! چوں گدایاں زلّہا برداشتند !

پھر گستاخوں بے ادبوں نے ادب چھوڑا اور فقیروں کی طرح دوسرے وقت کے لئے کھانا رکھنے لگے اور اس کی ممانعت تھی۔ ؎

کرد عیسےٰ لابہ ایشاں را کہ ایں ! دائم است وکم نگردد از زمیں !

جب اُنہوں نے رکھنا شروع کیا تو حضرت عیسےٰ علیہ السّلام نے نہایت نرمی وعاجزی سے کہا کہ ایسا مت کرو۔ یہ خوان ہمیشہ ہے کبھی زمین سے کم نہ ہوگا۔ ؎

بدگمانی کردن وحریص آوری ! کفر باشد نزد خوان مہتری !

یہ خوان نعمائے الٰہی ہے اس پر بند ہونے کی بدگمانی کرنا اور حریص بننا کفر ہے۔ کوئی کسی سردار کے خوان پر بھی ایسی بدگمانی نہیں کرتا۔ ؎

زاں گدارویاں نادیدہ ز آز ! آں درِ رحمت بر ایشاں شد فراز

نان وخوان از آسماں شد منقطع بعد زاں خوان نشد کس منتفع !

انجام یہ ہُوا کہ اُنہیں گدارو ندیدوں کی حرص سے وہ دروازہ رحمت کا جو اُن پر کھلا تھا بند ہوگیا۔ اور وہ روٹی اور خوان آنا آسمان سے ایسا منقطع ہوگیا کہ پھر کوئی اُس سے فائدہ مند نہ ہُوا۔ ؎

ابر ناید از پئے منع زکوٰۃ ! وز زنا افتد وبا اندر جہات

مولانا فرماتے ہیں۔ دیکھو زکوٰۃ نہ دینے یا زنا کرنے کا وبال کس قدر شدید ہے کہ چند اشخاص

کی حرکت سے عامۃ الناس مُبتلائے عذاب ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ سب لوگ زانی اور صاحب نصاب نہیں ہوتے۔ بلکہ شہر بھر میں قدرے قلیل مگر جب زکوٰۃ نہ دینے کے وبال سے قحط پڑتا ہے۔ تو انہیں قدر قلیل کی بدولت تمام شہر والے آفتِ جُوع میں گرفتار ہو جاتے ہیں ایسے ہی چند زانیوں کے گناہ کی شامت سے سارا شہر مُبتلائے وبا ہو جاتا ہے۔ ؎

ہر چہ بر تو آید از ظلماتِ غم! آں زبیبا کی و گستاخی است ہم!

الحاصل جو کچھ تجھ پر غم کے اندھیروں سے آئے وہ تیری ہی بے باکی اور گستاخی سے ہے۔ ؎

ہر کہ گستاخی کند بر راہِ دوست رہزنِ مرداں شد و نامرد اوست

پس جو کوئی گستاخی راہِ دوست میں کرے یعنی جو راہ دوست کی نکالی ہوئی ہے اُس کے خلاف چلے۔ وہ مردوں کا راہزن ہے کہ اُس کو دیکھا دیکھی اور بدراہ ہو جاتے ہیں۔ اور وہ خود نامرد ہے کہ خلافِ مردمی کام کرتا ہے۔ ؎

از ادب پُر نور گشتہ است ایں فلک وز ادب معصوم و پاک آمد ملک

مولانا فرماتے ہیں کہ ادب جس سے مراد یہ ہے کہ ہر امر کی حدود کو ملحوظ رکھا جائے۔ ایسی چیز ہے کہ اسی کی برکت سے فلک روشن ہو رہا ہے یعنی جیسا حکم گردش کا مالک نے دیا ہے ہمیشہ اُسی گردش پر چلا جاتا ہے۔ سرِ مو فرق نہیں کرتا۔ اپنے اسی حُسنِ انتظام کی بدولت دن کو آفتاب سے رات کو ستاروں اور مہتاب سے منوّر رہتا ہے۔ اور اسی ادب کی بدولت فرشتے معصوم و پاک ہوئے کہ جز فرمان مالک کا اُن کو ہے۔ اسی کی بجا آوری میں مصروف ہیں کہ بدوں مرضیٔ مالک کچھ نہیں کرتے۔

بُد ز گستاخی کسوفِ آفتاب! شد عزازیلے ز جرأت ردِّ باب

اور گستاخی کہ شوخی و بے ادبی کو کہتے ہیں۔ ایسی بُری شے ہے کہ اس سے آفتاب جیسی روشن چیز سیاہ و تاریک ہوئی۔ جیسا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اُن کے قاتلوں کے جرم کی شومی سے تین دن کسوف رہا۔ اور اسی گستاخی کی وجہ سے عزازیل بحرِ لعنت میں ڈبویا گیا۔ کہ بعد حکم سجدۂ آدم علیہ السلام اُس نے دلیرانہ کہا۔

أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهُ مِن طِينٍ ۝ (پ ۸)

یعنی میں آدم سے بہتر ہوں۔ مجھ کو تو نے آگ سے پیدا کیا اور اُسکو مٹی سے۔

اور احکم الحاکمین کے حکم کو نہ مانا جس کے باعث لعنت کا طوق اسکے گلے میں ابدالآباد تک ڈالا گیا۔

تکبر عزازیل را خوار کرد ! بزندانِ لعنت گرفتار کرد !

باب (۴) چہارم

اندازۂ عظمت حضرت صلے اللہ علیہ وسلم بنظر صحابہ

صحابہ کا طریق آدابِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام

اللہ تعالیٰ کلام مجید میں متعدد مقامات پر ارشاد فرماتا ہے۔ کہ جو لوگ ایمان لاتے ہیں۔ کلامِ الٰہی کو برحق مانتے ہیں اور خدائے تعالےٰ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر عمل کرتے ہیں۔ وہ جنت کے مستحق ہوں گے۔ جہاں ہر قسم کے عیش وعشرت کے سامان مہیا ہیں اور جو لوگ دنیا کے عیش وعشرت میں مشغول ہو کر اللہ تعالیٰ کو بھول جاتے ہیں وہ دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ جہاں طرح طرح کے عذاب ہیں۔ چونکہ صحابہ کو خدا اور رسول کے ارشاد پر یقین واثق اور عشق کامل تھا۔ اس لئے وہ ہمیشہ اس کوشش میں رہتے تھے کہ ایسے کام کریں جس کے باعث دوزخ سے محفوظ رہ کر جنت کے مستحق ہو جائیں۔ جہاں اس محبوب حقیقی کے جمال لایزال کے مشاہدہ سے بہرہ ور ہوں گے۔

یوں تو ہر مسلمان کا دعوےٰ ہے کہ میں جو کام کرتا ہوں وہ اچھا ہے اور اپنے آپ کو اچھا ظاہر کرتا ہے حتیٰ کہ ایک بدکردار بھی اپنے آپ کو نیکوکار سمجھتا ہے ؎

ہر کسے خود را نماید بایزید نیک چوں بینی بماند یزید

مگر اصحاب کرام کے حالات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ہمارے اور اُن کے اعمال وافعال میں کیا نسبت ہے اور اُن کو خدا اور رسول کے ساتھ کس درجہ کا عشق تھا اور ہم کو کتنا۔

مسلمانو! اصحابِ کرام وہ لوگ تھے۔ جن کی افضلیت پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خود گواہی دی ہے۔ چنانچہ دیلمی نے مسند فردوس میں ذکر کیا ہے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ نَظَرَ فِیْ قُلُوْبِ الْعِبَادِ فَلَمْ یَجِدْ قَلْبًا اَتْقٰی مِنْ قُلُوْبِ اَصْحَابِیْ وَلِذَالِكَ اخْتَارَهُمْ فَجَعَلَهُمْ صِحَابًا فَمَا اسْتَحْسَنُوْا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰہِ حَسَنٌ وَمَا اسْتَقْبَحُوْا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰہِ قَبِیْحٌ۔

یعنی فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ نے کوئی قلب میرے صحابہ کے قلوب سے زیادہ پاکیزہ نہیں دیکھا۔ اس لئے انکو میری صحابیت کے لئے پسند فرمایا۔ جو کچھ وہ اچھا سمجھیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اچھا ہے۔ اور جو برا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک برا ہے۔

غرض صحابۂ کرام کے دلوں میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بڑی عظمت تھی۔ اور وہ آپ کے آداب کی رعایت رکھتے تھے رباوجود اس کے اگر کسی سے بمقتضائے بشریت یا سادگی سے کوئی ایسی حرکت ہوجاتی جس میں بے ادبی کا شائبہ ہوتا تو ساتھ ہی کلام الٰہی میں تنبیہ اور زجر و توبیخ نازل ہوتی جس سے سب متنبہ اور ہوشیار ہوجاتے۔ غرض رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اصحاب کرام کے قلوب میں آپ کی تعظیم و تکریم اس قدر جاگزیں تھی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے روبرو بات نہ کرسکتے تھے اور اگر ان کو کچھ دریافت کرنا ہوتا تو کئی دنوں تک خاموش رہتے اور موقع کے منتظر رہتے یا کسی بدوی کی فکر میں رہتے کہ وہ آکر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کچھ پوچھے اور ہم استفادہ کریں۔ کیونکہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم و اجلال کے باعث خود دریافت نہ کرسکتے تھے اور جب مجلس شریف میں آکر بیٹھتے تو بالکل بے حس و حرکت سر نیچے کئے بیٹھے رہتے کبھی نگاہ اٹھا کر بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف نہ دیکھتے۔

صحابۂ کرام کے آداب کما ینبغی تحریر میں نہیں آسکتے کیونکہ ادب ایک کیفیت قلبی کا نام ہے جس سے مختلف اقسام کے آثار و افعال ظہور میں آتے ہیں۔ اسکو بیان کرنا امکان سے خارج ہے مگر چند آثار پر ارقام کئے جاتے ہیں جن سے غرض یہ ہے کہ مسلمان ان حضرات کی کیفیت قلبی کو پیش نظر رکھکر اس قسم کی کیفیت قلبی حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

صدیق اکبر کا طریق ادب رسول صلے اللہ علیہ وسلم

صحیح بخاری میں سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنی عمرو بن عوف میں صلح کرانے کے واسطے تشریف لے گئے۔ جب نماز کا وقت ہوا۔ تو مؤذن نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے پوچھ کر اقامت کہی اور انہوں نے امامت کی۔ اس عرصہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی تشریف فرما ہوگئے اور صف میں قیام فرمایا۔ جب نمازیوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا۔ تو دستک دینے لگے اس غرض سے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خبردار ہوجائیں۔ کیونکہ اُن کی عادت تھی کہ نماز میں کسی طرف دیکھتے نہ تھے۔ جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دستک کی آواز سُنی تو گوشۂ چشم سے دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف فرما ہیں۔ لہٰذا پیچھے ہٹنے کا قصد کیا اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اشارہ سے فرمایا کہ اپنی ہی جگہ پر قائم رہو۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دونوں ہاتھ اُٹھائے اس نوازش پر کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے امامت کا حکم فرمایا اللہ تعالےٰ کا شکریہ ادا کیا اور پیچھے ہٹ کر صف میں کھڑے ہوگئے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ اے ابوبکر! جب میں خود تمہیں حکم کرچکا تھا تو تم کو اپنی جگہ پر کھڑے رہنے سے کون چیز مانع ہوئی تھی عرض کیا یارسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ابی قحافہ کا بیٹا اس لائق نہیں کہ

"اَنْ یُّصَلِّیَ بَیْنَ یَدَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ"	رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے آگے بڑھ کر نماز پڑھائے

اب یہاں گہری نظر کی ضرورت ہے کہ باوجودیکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو پیچھے ہٹنے سے منع فرمایا مگر اُن سے امتثال نہ ہوسکا حالانکہ اللہ تعالےٰ سورۂ حشر رکوع ایں ارشاد فرماتا ہے۔

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ	یعنی اور جو حکم دیں تم کو رسول تو اُس کو قبول کرو۔
وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا	اور جس چیز سے منع کریں اس سے باز رہو۔"

اس انکار کی حکمت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حال میں بالتفصیل لکھی گئی ہے۔

کنز العمال میں مروی ہے۔

قَالَ ابْنُ الْاَعْرَابِیِّ نُوْدِیَ اَنَّ اَعْرَابِیًّا جَاءَ اِلٰی اَبِیْ بَکْرٍ فَقَالَ اَنْتَ خَلِیْفَۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا قَالَ فَمَا اَنْتَ قَالَ الْخَالِفَۃُ بَعْدَہٗ

یعنی ایک اعرابی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ اس نے کہا۔ پھر کیا ہو؟ آپ نے فرمایا۔ کہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد خالفہ ہوں۔

جوہری نے صحاح میں کہا ہے کہ خالفہ اُس شخص کو کہتے ہیں۔ جو کسی گھر کے سب لوگوں میں ایسا ہو جس میں کچھ خیر نہ ہو۔ چونکہ خلیفہ جانشین کو کہتے ہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ادب نے اجازت نہ دی کہ اپنے آپ کو اِس لفظ کا مصداق سمجھیں اِس لئے اُس کو ایسے طور سے بدلا جس میں مادہ خلافت باقی رہے۔ اور ادب بھی ہاتھ سے نہ جائے۔ حالانکہ آپ کی خلافت احادیث صحیحہ سے صراحۃً ثابت ہے۔

جائے غور ہے۔ کہ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالے عنہ اپنے آپ کو حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے خلیفہ کہنے میں تامل کرتے ہیں تو اب ان لوگوں کو کیا کہیں جو کمال فخر سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ برابری اور بھائی چہنے کی نسبت لگاتے ہیں معلوم نہیں کہ اس برابری سے اُن کا مقصود کیا ہے۔ اگر اُن کو اپنی فضیلت ظاہر کرنا منظور ہے تو وہ خصوصیاتِ حضور کہاں ہیں۔ جو نہ کسی نبیٔ مرسل کو نصیب ہوئیں اور نہ کسی فرشتۂ مقرب کو ملیں ؎

کافراں دیدند احمد را بشر ۔۔۔ ایں نہ دانند کہ آں شق القمر
گر بصورت آدمی انساں بُدے ۔۔۔ احمد و بوجہل خود یکساں بُدے

افسوس ان لوگوں کو اتنی سمجھ نہیں کہ ؎

در محفلے کہ خورشید اندر شمارِ ذرّہ ہست
خود را بزرگ دیدن شرطِ ادب نباشد

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اپنے باپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کرنیکے سبب طمانچہ مارنا

ایک دفعہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد ابو قحافہ نے کفر کی حالت میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں کوئی ناشائستہ کلمہ منہ سے نکالا۔ اس پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فوراً اُن کے منہ پر طمانچہ کھینچ مارا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا تو عرض کیا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس وقت میرے پاس تلوار نہ تھی ورنہ ایسی گستاخی پر اُس کی گردن اُڑا دیتا۔ اُسی وقت آپ کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

تُو نہ پائے گا ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور روز آخرت پر کہ وہ ایسوں سے دوستی کریں جو مخالف ہوئے اللہ کے اور اس کے رسول کے گو وہ ان کے باپ ہوں یا اُن کے بیٹے یا اُن کے بھائی ہوں یا ان کے کنبے کے یہی ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے اور ان کی تائید کی اپنے فیضانِ غیبی سے اور اُن کو داخل فرمائے گا۔ ایسے باغوں میں کہ بہتی ہیں اُن کے نیچے نہریں ہمیشہ وہیں رہیں گے اللہ اُن سے راضی اور وہ اس سے راضی یہ خدائی لشکر ہے۔ خبردار ہو جاؤ اللہ کا لشکر وُہی فلاح پانے والے ہیں۔

(سورۂ مجادلہ ع)

دیکھیے۔ اس آیت مبارک سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی کیسی شان پائی جاتی ہے۔

حضرت ابُوبکر رضی اللہ عنہ نے منبر پر رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کی جگہ پر بیٹھنا خلافِ ادب سمجھا

جب حضرت اُبوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آغازِ خلافت میں منبر پر بیٹھ کر خُطبہ دینے لگے تو منبر کے جس درجے پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم بیٹھ کر خُطبہ القا فرمایا کرتے تھے حضرت اُبوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس سے نیچے کے درجے پر بیٹھے۔ کہ ع

بجائے بزرگاں نشستن خطا است

پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایّامِ خلافت میں اُسی منبر پر بیٹھ کر خُطبہ دینا چاہا تو اس درجہ سے بھی نیچے کے درجے پر بیٹھے۔ کیونکہ اُن کے نزدیک مقام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کے ادب کے ساتھ خلیفہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مقام کا ادب بھی واجب تھا۔ ؎

از خُدا خواہیم توفیقِ ادب! بے ادب محروم ماند از فضلِ رب

حضرت عمر خطاب رضی اللہ عنہ کا طریق ادبِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم

حضرت عبّاس رضی اللہ عنہ کے مکان کی چھت پر ایک پرنالہ تھا۔ ایک روز حضرت عُمر رضی اللہ عنہ نئے کپڑے پہنے ہُوئے مسجد کو جا رہے تھے۔ جب اس پرنالے کے قریب پہنچے۔ اتفاق سے اُسی دن حضرت عبّاس رضی اللہ عنہ کے گھر دو مُرغ ذبح کیے جا رہے تھے۔ یکایک اُن کا خون اُس پرنالے سے ٹپکا اور اُس کے چند قطرے عمر خطاب رضی اللہ عنہ کے کپڑوں پر پڑ گئے۔ آپ نے اُس پرنالے کے اُکھاڑ ڈالنے کا حکم صادر فرمایا۔ لوگوں نے فوراً اُس پرنالے کو اُکھاڑ دیا۔ اور آپ گھر واپس آکر دوسرے کپڑے پہن کر مسجد میں تشریف لائے۔ ادائے نماز کے بعد حضرت عبّاس رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آکر کہنے لگے۔ یا امیر المؤمنین! خدا کی قسم اس پرنالے کو جسے آپ نے اُکھیڑ ڈالا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے اپنے دستِ مبارک سے اِس جگہ لگایا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سُن کر نہایت مضطرب اور پریشان ہُوئے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ نے عبّاس رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ اے عبّاس! میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ اپنے پیر میرے کندھے پر رکھ کر اس پرنالے کو جیسا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لگایا تھا

اس جگہ پر لگا دو، چنانچہ عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی درخواست پر اسکو پہلی جگہ پر لگا دیا۔

دیکھئے حضرت عمر اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے دل میں حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کی کس قدر عظمت اور عزت تھی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا طریق ادب رسول صلی اللہ علیہ وسلم

جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قریش کی طرف جنگ حدیبیہ میں صلح کے واسطے بھیجا تو قریش نے عثمان رضی اللہ عنہ کو طواف کرنے کی اجازت دی لیکن آپ نے طواف کرنے سے انکار کیا اور اپنے پروردگار کے حکم

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۔ — اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو۔

اپنے آقائے نامدار کا ادب و تعظیم مدنظر رکھ کر فرمایا۔

مَا كُنْتُ لِاَفْعَلَ حَتّٰى يَطُوْفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔ — یعنی میں طواف نہ کروں گا جب تک میرے مولا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم طواف نہ کریں گے۔

دیکھئے حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بیت اللہ شریف کے طواف کرنے کے مقابلے میں رجو عبادت میں داخل ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رعایت ادب کو افضل جانا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مدارج النبوّت میں لکھتے ہیں کہ کوئی عبادت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رعائیت ادب کے برابر نہیں ہے۔

اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد صحابۂ کرام اور تابعین عظام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث اور کلام کے ذکر کے وقت آپ کی تعظیم و توقیر فرمایا کرتے اور آپ کا ادب ملحوظ رکھتے تھے۔

کنزالعمال میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں اسلام میں چوتھا شخص ہوں اور میرے نکاح میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے دی ہیں اور میں نے جب سے اپنا داہنا ہاتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

دستِ مبارک سے ملایا ہے اُس دن سے میں نے اس ہاتھ سے اپنی شرمگاہ کو کبھی نہیں چھوا۔ (کیمیائے سعادت)

ادب کا یہ وہ مرتبہ عظمےٰ ہے جس پر ہر شخص مکلف نہیں بلکہ یہ صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ہی حصہ تھا۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

وَاِذَا اَتَی الْخَلَاءَ فَلَا یَمَسَّ ذَکَرَہٗ بِیَمِیْنِہٖ وَلَا یَتَمَسَّحْ بِیَمِیْنِہٖ۔	یعنی جب کوئی پاخانے جائے تو دائیں ہاتھ سے اپنی شرمگاہ کو نہ چھوئے نہ اس سے نجاست کو پونچھے

دوسری حدیث ہے۔

کَانَتْ یَدُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْیُمْنٰی لِطُھُوْرِہٖ وَطَعَامِہٖ وَکَانَتْ یَدُہُ الْیُسْرٰی لِخَلَاءِہٖ وَمَا کَانَ مِنْ اَذًی ۝	یعنی جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کا دایاں ہاتھ وضو کرنے اور کھانے کے لئے تھا اور آپ کا بایاں ہاتھ پاخانہ میں ڈھیلا استعمال کرنے اور ہر مکروہ چیز کے لئے تھا۔"

ان حدیثوں سے ثابت ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر اسقدر برتری ہے کہ پاخانہ وغیرہ کی حالت میں اُسے مکروہ و نجس اشیاء کو چھونے سے بچایا جائے اور اس خدمت کے لئے صرف بائیں ہاتھ کو مخصوص کر لیا جائے مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس فضیلت کی بناء پر کہ ان کا ہاتھ ایک مرتبہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کے مبارک ہاتھ سے چھو چکا ہے اُس کے شرف کو اسقدر وسیع اور عام کر لیا کہ خلاء و غیر خلاء وغیرہ کی حالت میں بھی مدت العمر اس سے مس ذکر نہ کیا۔ یعنی دائیں ہاتھ کی جو فضیلت حالتِ خلا میں مس ذکر سے مانع تھی وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کے ہاتھ کے چھونے کے باعث اسقدر وسیع کر لی کہ غیر خلاء کی حالت میں بھی اس سے مس ذکر گوارا نہ کیا۔ یا یُوں سمجھو کہ اگر شرع نے دائیں ہاتھ سے مس ذکر کرنے سے اس لئے منع کیا ہے کہ وہ بائیں سے اشرف ہے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اُس کے عدم مس ذکر کی علت بجائے اس کے دایاں ہونے کے اس امر کو قرار دیا کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کے ہاتھ کے ساتھ چھو چکا ہے۔ فافہم

اب ایک اور پہلو پر نظر کرنی چاہیئے یعنی اگر اس ہاتھ میں کسی قسم کی برکت پیدا ہو گئی تھی

تو شرمگاہ میں کونسی برائی رکھی تھی جس کو وہ متبرک ہاتھ لگانا مذموم سمجھا گیا۔ حالانکہ احادیث و آثار سے مصرح ہے کہ وہ بھی ایک عضو ہے مثل اور اعضاء کے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔

(۱) عَنْ قَيْسِ بْنِ طَلْقٍ اَنَّ اَبَاهُ حَدَّثَهُ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ رَجُلٍ مَسَّ ذَكَرَهُ اَيَتَوَضَّوءُ قَالَ هَلْ هُوَ اِلَّا بِضْعَةٌ مِنْ جَسَدِكَ ۔

یعنی مؤطا امام محمد میں قیس بن طلق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کسی نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا آلۂ تناسل کے چھونے سے وضو ٹوٹتا ہے فرمایا وہ تو ایک ٹکڑا ہے تیرے جسم کا۔

(۲) عَنْ عَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍ قَالَ مَا اُبَالِيْ اِيَّاهُ اَمَسُّ اَوْ اَنْفِيْ اَوْ اُذُنِيْ ۔

یعنی مؤطا امام محمد میں مروی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے کچھ پروا نہیں کہ ذکر کو مس کروں یا ناک کو یا کان کو یعنی ان تمام اعضاء کے چھونے کا ایک ہی حکم ہے۔

(۳) عَنْ اِبْرَاهِيْمَ اَنَّ ابْنَ مَسْعُوْدٍ سُئِلَ عَنِ الْوُضُوْءِ مِنْ مَسِّ الذَّكَرِ فَقَالَ اِنْ كَانَ نَجِسًا فَاقْطَعْهُ

یعنی مؤطا امام محمد میں ابراہیم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کسی نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ مس ذکر سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں کہا اگر وہ نجس ہے تو اس کو کاٹ ڈال۔

الحاصل شرعاً بول و براز کی حالت کے سوا دیگر حالت میں مس ذکر میں کوئی کراہت نہیں البتہ اگر کراہت ہے تو طبعی ہے پھر اس کراہت طبعی کو ادب نے وہاں اس درجہ بڑھایا کہ مشابہ بلکہ زیادہ کراہت شرعی سے کر دیا جس کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ عمر بھر اس فعل سے بچتے رہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ادب ایک ایسی چیز ہے کہ اپنا پورا اثر کرنے میں نہ منتظر امر ہے۔ نہ محتاج نظیر بلکہ اہل ایمان میں وہ ایک قوت راسخہ ہے جس کو خاص ایمان کے ساتھ تعلق ہے اور اس کا منشا عظمت و قوت اس شخص یا اس چیز کی ہے جس کے آگے ادب کرنے والا اپنے کو کم درجہ اور ذلیل سمجھتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا طریق ادب رسول صلی اللہ علیہ وسلم

صحیح مسلم میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جب وہ صلحنامہ لکھا جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اور کفار کے درمیان حدیبیہ کے دن ٹھہرا تھا جس میں یہ عبارت تھی۔

هٰذَا مَا كَاتَبَ عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

تو مشرکوں نے کہا کہ لفظ رسول اللہ نہ لکھو۔

کیونکہ اگر رسالت مسلّم ہوتی تو پھر لڑائی کیا تھی۔ اس پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ اس لفظ کو مٹا دو۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں وہ شخص نہیں ہوں جو اس لفظ کو مٹا سکوں لہٰذا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود اُس کو اپنے ہاتھ سے مٹا یا۔

اب یہاں تعمق نظر کی ضرورت ہے باوجودیکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے علی کرم اللہ وجہہ کو لفظ رسول اللہ مٹانے کا امر فرمایا تھا مگر ان سے امتثال نہ ہو سکا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ سورۃ حشر رکوع ۱ میں ارشاد فرماتا ہے۔

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ

یعنی اور جو حکم دیں تم کو رسول تو اُسکو قبول کرو۔ اور جس چیز سے منع کریں اُس سے باز رہو۔

سورہ احزاب رکوع ۵ میں ارشاد فرماتا ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝

یعنی اور یہ حق نہیں کسی ایماندار مرد کا نہ عورت کا جب فیصلہ کر دے اللہ اور اُس کا رسول کسی امر کا کہ اُن کو رہے اختیار اپنے معاملہ کا اور جس نے نافرمانی کی اللہ اور اُس کے رسول کی۔ سو راہ بھولا صریح چوک کر۔

امتثالِ امر نہ ہونے کی وجہ یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے جس کے دفعیہ کے لئے تعمق نظر درکار ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس کا تو احتمال ہی نہیں ہو سکتا کہ ان حضرات سے عدولِ حکمی عمل میں آئے۔ وہ بھی کس موقع میں جبکہ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس روبرو حکم فرما رہے ہیں۔ اور اس کا بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ اُن حضرات میں گویا سرتابی کا مادہ ہی نہ تھا۔ اس سے بڑھ کر انقیاد کیا ہو کہ ایک اشارہ پر جان دینا اُن کے سامنے کوئی بڑی بات نہ تھی۔ اور یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ یہ عدولِ حکمی خلافِ مرضی خدا و رسول تھی۔ کیونکہ اگر یہ بات ہوتی۔ تو خود حضور علیہ الصلاۃ والسلام ان کو زجر و توبیخ فرما دیتے۔ بلکہ کوئی آیت نازل ہو جاتی۔ اس لئے کہ ان حضرات کی تادیب کا لحاظ بیش از پیش مرعی تھا۔ اس وجہ سے کہ وہ حضرات ایک عالم کے مقتدا ہونے اور دُنیا کے لئے نمونہ بننے والے تھے۔ غرض ان تمام امور پر نظر ڈالنے سے پریشانی ہوتی ہے۔ مگر یہ خلجان اس طرح سے دفع ہو سکتا ہے کہ ان حضرات کا پاسِ ادب جو سچے دل سے تھا۔ وہ کچھ ایسا با فروغ تھا۔ کہ اُس کے مقابلہ میں وہ عدولِ حکمی قابلِ التفات نہ ہوئی اگر اس حالت کو خیال کیجئے۔ بشرطیکہ دل میں وقعت و عظمت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی کامل طور پر ہو۔ تو معلوم ہوگا کہ ان حضرات کے دلوں کا اس وقت کیا حال ہوگا اُدھر خود بنفسِ نفیس سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم بالمواجہ حکم فرما رہے ہیں۔ اور ایک طرف سے آیات و احادیث باوازِ بلند کہہ رہی ہیں کہ خبردار امرِ واجب الانقیاد سے سرِ مُو انحراف نہ ہونے پائے اور اِدھر ادب کا دل پر اس قدر تسلط ہے کہ امتثال کے لئے نہ ہاتھ یاری دیتے ہیں نہ پاؤں۔ آخر ان بزرگوں کو ادب نے اس قدر مجبور کیا کہ امتثالِ امر ہو ہی نہ سکا اور انہوں نے وُہی کیا جو مقتضائے ادب تھا۔ اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب نصِ قطعی کے مقابلہ میں آخر ادب ہی کی ترجیح ہوئی۔ تو دین میں اُس کو کس قدر با وقعت اور ضروری چیز سمجھنا چاہیئے۔ ؎

شد ادب جملہ طاعتِ محمود
طاعتِ بے ادب ندارد سود!

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نمازِ عصر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے باعث قضا کرنا

شفا قاضی عیاض میں مروی ہے کہ جنگ خیبر کی واپسی میں منزل صہبا پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نمازِ عصر ادا فرمائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ جماعت میں شامل نہ ہو سکے۔ تو آپ نے اُسی وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زانوئے مُبارک پر سر رکھ کر آرام فرمایا۔ چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نمازِ عصر نہیں پڑھی تھی اس لئے اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے کہ نمازِ عصر کا وقت گذر رہا ہے جو سب نمازوں سے افضل ہے اور جس کی تاکید قرآن مجید میں بتکرار عطف فرمائی۔

حَافِظُوْا عَلَی الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی ۔ (سورہ بقر رکوع ۳۱)

یعنی حفاظت کرو اور نگاہ رکھو تم نمازوں کو اور نماز وُسطٰی یعنی نماز عصر کو۔

خندق کے دن خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نمازِ عصر کے فوت ہو جانے پر کُفّار کے واسطے یہ بد دُعاء فرمائی۔

حَبَسُوْنَا عَنْ صَلٰوۃِ الْوُسْطٰی صَلٰوۃِ الْعَصْرِ مَلَأَ اللّٰہُ بُیُوْتَھُمْ وَقُبُوْرَھُمْ نَارًاہ

یعنی ان کُفّار نے ہم کو نماز وُسطٰی یعنی نمازِ عصر سے روکا۔ اللہ تعالےٰ اُن کی قبروں اور گھروں کو آگ سے بھر دے۔

باوجود اتنی تاکید کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عمدًا نمازِ عصر کو ترک کیا محض اس خیال سے کہ اگر میں اپنا زانو ہلاؤں گا۔ تو حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام بیدار ہو جائیں گے اور آپ کے خواب میں خلل آجائے گا۔ لہٰذا آپ نے محض حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے باعث زانو کو نہ ہلایا حتیٰ کہ آفتاب غروب ہو گیا اور نمازِ عصر کا وقت جاتا رہا۔ مگر جب حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام بیدار ہوئے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نماز کے فوت ہو جانے کا حال عرض کیا۔ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے دُعا فرمائی کہ یا الٰہ العالمین! اگر علی تیری اطاعت میں تھا۔ تو پھر آفتاب کو طلوع کر دے۔ پس اسی وقت ڈوبا ہُوا آفتاب پلٹ آیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نہایت تسکین کے ساتھ نمازِ عصر ادا کی۔ پھر آفتاب حسب معمول غروب ہو گیا ؎

ثابت ہُوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں
اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

الغرض اطاعت و فرمانبرداری رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہر امر میں واجب و لازم ہے جس نے تصدیق رسالت کی مگر اتباع و اطاعت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نہ کی وُہ گمراہ ہے۔

اس حدیث کو روایت کیا طحاوی نے مشکل الآثار میں دو طریق سے ایک روایت اسماء بنت عمیس سے دوسری فاطمہ بنت حسین سے۔ قاضی عیاض نے شفا میں۔ سیوطی نے الدرر المنتشرۃ فی الا حادیث المشتہرۃ میں اور حافظ ابن سید الناس نے بشری اللبیب میں اور اس حدیث کے دونوں طریق شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ۱۱۴۴ھ ہجری میں مدینہ منورہ میں اپنے اُستاد شیخ ابو طاہر سے مسلسل فاطمہ بنت حسین تک اور اسماء بنت عمیس تک ازالۃ الخفاء میں نقل کئے ہیں۔

ازالۃ الخفا میں ہے کہ ابن جوزی نے اِس حدیث کو موضوع کہا ہے۔ لیکن اس کے جواب میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوت میں لکھا ہے کہ ابن جوزی حدیثوں کے موضوع کہنے میں بہت جلدی کرنے والے ہیں، بہر کیف یہ حدیث صحیح ہے۔

صواعق میں ہے کہ عراق کی ایک جماعت مشائخ ابوالمنصور مظفر بن اُردشیر قبادی رحمۃ اللہ علیہ کے وعظ میں حاضر تھی جبکہ وہ نمازِ عصر کے بعد وعظ فرما رہے تھے اور یہی حدیث اور اہل بیت کے فضائل بیان کر رہے تھے کہ یکایک ابر آیا اور آفتاب چھپ گیا۔ لوگوں نے گمان کیا کہ آفتاب غروب ہو گیا پس آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر آفتاب کو اشارہ کیا۔ اور تین اشعار پڑھے جن کا مطلب یہ ہے ؎

کہ رہا ہوں میں بتوفیقِ خدا — نعت و مدحِ مصطفےٰ و مرتضےٰ
تُو نہ ڈوب اے شمسِ تاباں پُرضیا! — سُن لے تو بھی وصفِ آلِ مصطفےٰ

وُہ جماعتِ حاضرین کہتی ہے کہ اُسی وقت ڈوبا ہُوا آفتاب پھر نکل آیا ؎

اولیاء را ہست قدرت از الٰہ
تیرِ جستہ باز گردانند ز راہ

حضرات قباث عثمان و عباس وغیرہ رضی اللہ عنہم کا ادب رسول صلی اللہ علیہ وسلم

بیہقی نے دلائل النبوت میں ابی الحویرث رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ عبد الملک بن مروان نے قباث بن اشیم رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم اکبر ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکبر تھے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَکْبَرُ مِنِّیْ وَاَنَا اَسَنُّ مِنْہُ

انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے بڑے تھے اور میں عمر میں اُن سے زیادہ ہوں۔

اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریف عام فیل میں ہے اور مجھے یاد پڑتا ہے کہ میری والدہ صاحبہ اُسی ہاتھی کی لید کے پاس مجھے لیکر کھڑی تھیں۔

عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اُنہیں قباث رضی اللہ عنہ سے اسی قسم کا سوال کیا تھا اُنہوں نے اُنکو بھی یہی جواب دیا تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اکبر تھے اور میری ولادت پیشتر ہے۔ (بیہقی)

عباس رضی اللہ عنہ سے بھی اسی قسم کا سوال ہُوا تھا۔ آپ نے بھی یہی جواب دیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اکبر تھے اور میری ولادت پیشتر ہے۔ (کنز العمال)

کنز العمال میں یزید بن الاصم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُبوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے استفسار فرمایا کہ میں بڑا ہوں یا تم۔ عرض کیا کہ آپ اکبر ہیں اور اکرم ہیں اور میری عمر زیادہ ہے۔

اِس ادب کو دیکھئے باوجودیکہ اس موقع میں لفظ اکبر اور اسنّ دونوں کے ایک ہی معنی ہیں مگر اس لحاظ سے کہ لفظ اکبر مطلق بزرگی کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے لہٰذا صراحۃً اس کی نفی کردی اور مجبوراً لفظ اسنّ کو ذکر کیا کیونکہ صراحۃً مقصود پر دلالت کرنے والا سوائے اس کے کوئی لفظ نہ تھا۔ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ جن کی تعظیم خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا ادب میں یہ حال ہو تو پھر ہم کو کس قدر ادب کا لحاظ رکھنا چاہیئے مگر افسوس ہے آج کل کے بعض بے ادب اور گستاخ فرقوں

پر جو شب و روز آیات و حدیث سے کرید کرید کر من گھڑت معانی بنا کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تنقیصِ شان کرتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان بے ادبوں کو رشد و ہدایت بخشے تاکہ وہ بے ادبی اور گستاخی کے باعث دوزخ کا ایندھن بننے سے محفوظ رہیں۔ ؎

از خدا خواہیم توفیقِ ادب! بے ادب محروم ماند از فضلِ رب

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا طریق ادب رسول صلے اللہ علیہ وسلم

ابو داؤد میں عبید بن فیروز رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے میں نے پوچھا کہ کن جانوروں کی قربانی درست نہیں؟ اُنہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں میں کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ چار قسم کے جانور ہیں جن کی قربانی درست نہیں۔ ایک وہ جس کی آنکھ پھوٹی ہو۔ دوسرا وہ جو سخت بیمار ہو۔ تیسرا وہ جس کا لنگ ظاہر ہو۔ چوتھا وہ جو نہایت دُبلا ہو۔ اُس کو آپ نے اپنی انگلیوں سے اشارے سے تشریح فرمائی لیکن میری انگلیاں حضرت کی انگلیوں سے چھوٹی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں پہلے دستِ مبارک کے اشارے سے تعیین فرمادی کہ چار جانور ہیں جن کی قربانی درست نہیں پھر اُن کی تفصیل کی۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے جب اس واقعہ کو بیان کیا۔ تو ادب نے اجازت نہ دی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک کی حکایت اپنے ہاتھ سے کی جائے لہٰذا عذر ظاہر کیا کہ میری انگلیاں چھوٹی ہیں جن کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کیساتھ کچھ نسبت نہیں ہے۔

اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ چار کا اشارہ ہاتھ سے کرتے ہیں مقصود صرف تعیین عدد ہے ظاہراً نہ اس میں کوئی مساوات کا شائبہ ہے نہ سوء ادب کا باوجود اس کے ادب صحابیت نے دستِ مبارک کی حکایت کو بھی گوارا نہ کیا جس سے تشبیہ لازم آجاتی تھی۔ اب دوسرے آداب کو اسی پر قیاس کر لینا چاہیئے۔

افسوس ان لوگوں کے حال پر جو باوجود مدعی علم ہونے کے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی کے کلمات کہتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ انہیں فہم سلیم عطا فرمائے تاکہ وہ عذاب

اُخروی سے بچ جائیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا ادب رسول صلے اللہ علیہ وسلم

صحیح بخاری میں ابورافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک روز میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کو مدینہ منورہ کے کسی راستہ میں دیکھا چونکہ میں جُنبی تھا۔ اس لئے میں چھپ گیا۔ پھر غسل کر کے حاضر خدمت اقدس ہو گیا۔ آپ نے فرمایا اے ابوہریرہؓ! تم کہاں تھے؟ عرض کیا کہ مجھے نہانے کی ضرورت تھی اس لئے میں نے آپ کے ساتھ بغیر طہارت کے بیٹھنے کو مکروہ سمجھا۔ فرمایا۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا یَنْجَسُ۔ یعنی پاک ہے اللہ تعالےٰ۔ مُسلمان نجس نہیں ہوتا۔

دیکھئے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس حالت میں جو الگ ہو گئے تو اس سے ظاہر ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی کمال درجہ کی عظمت اُن کے دل میں موجود تھی جس نے اُن کی عقل کو مقہور کر کے اُن کے دل کو اس ادب پر مجبور کر دیا تھا ورنہ وہ جانتے تھے کہ جنابت کا جسم میں سرایت کرنا ایک امر حکمی ہے۔ جسّی نہیں جس سے دوسرے کو کراہت ہو اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اُس کا اثر دوسرے تک متعدی نہیں ہو سکتا۔

ہر چند رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے مسئلہ شرعیہ بیان فرما دیا کہ مسلمان نجس نہیں ہوتا مگر کلام اس میں ہے کہ اس حالت میں حاضر ہونے کو اُنہیں کونسی چیز مانع تھی۔ اگر نعوذ باللہ طبیعت میں بے باکی ہوتی تو خیال کر لیتے کہ اس حالت میں مجالست سے کوئی ممانعت نہیں بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی خیال آسکتا تھا کہ چل کر تو دیکھئے کہ اگر حضور منع فرمائیں گے تو ایک مسئلہ معلوم ہو جائیگا۔ خصوصاً اس زمانہ میں کہ ہر روز نئے نئے مسائل معلوم ہونے کی ضرورت سمجھی جاتی تھی۔ بلکہ دراصل بات یہ ہے کہ ادب نے اُن کو جرأت کرنے نہ دی۔

پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو مسئلہ بیان فرمایا اُس سے یہی مقصود معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسئلہ شرعیہ معلوم ہو جائے علاوہ اس کے اگر ان کی یہ حرکت ناگوار طبع مبارک ہوتی تو

تو صاف زجر فرما دیتے۔ خلاصہ یہ ہے کہ وُہ محض رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم کے ادب کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکے۔

حضرت اسلع بن شریک رضی اللہ عنہ کا ادب رسُول صلّے اللہ علیہ وسلم

زرقانی نے شرح مواہب اللدنیہ میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ اسلع بن شریک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلم کی اُونٹنی پر میں کجاوہ باندھا کرتا تھا۔ ایک رات مجھے نہانے کی حاجت ہوئی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کوچ کا ارادہ فرمایا۔ اُس وقت مجھے نہایت تردّد ہُوا کہ اگر ٹھنڈے پانی سے نہاؤں تو مارے سردی کے مرجانے یا بیمار ہو جانے کا خوف ہے اور یہ بھی گوارا نہیں کہ ایسی حالت میں خاص سواری مُبارک کا کجاوہ اونٹنی پر باندھوں۔ مجبوراً کسی شخص انصاری سے کہہ دیا کہ کجاوہ باندھے پھر میں نے چند پتھر رکھ کے پانی گرم کیا اور نہا کر رسول اللہ علیہ وسلّم اور صحابہ کرام سے جا ملا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اے اسلع! کیا سبب ہے کہ تمہارے کجاوہ کو میں متغیر پاتا ہوں؟ عرض کیا یا رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلم میں نے نہیں باندھا تھا۔ فرمایا کیوں؟ عرض کیا اس وقت مجھے نہانے کی حاجت تھی اور ٹھنڈے پانی سے نہانے میں جان کا خوف تھا اس لئے کسی اور کو باندھنے کے لئے کہہ دیا تھا۔ اسلع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ الْاٰیَةَ (سورۃ مائدہ رکوع ۲)

جس سے سفر میں تیمم کرنے کی اجازت ملی (در منثور وطبرانی وغیرہ)

سُبحان اللہ کیا ادب تھا کہ جس کجاوہ میں رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم تشریف رکھتے تھے اُس کی لکڑیوں کو حالتِ جنابت میں ہاتھ لگانا بھی گوارا نہ تھا۔ اگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو اس کا منشا محض ایمان دکھلائی دے گا جس نے ایسے پاکیزہ خیالات ان حضرات کے دلوں میں پیدا کر دیئے تھے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ نہ عموماً اس قسم کے امور کی تعلیم تھی نہ صراحۃً ترغیب وتحریص۔

الحاصل جب ان لکڑیوں کا اس قدر ادب کیا گیا تو معلوم ہُوا کہ انبیاء و اولیاء کا جس قدر بھی ادب کیا جائے محمود ہے۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا طریقِ ادبِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم

مصعب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ نہایت ہی ہنس مکھ تھے۔ مگر جب نبی صلے اللہ علیہ وسلّم کا ذکر ان کے رو برو کیا جاتا تو ان کا رنگ متغیر ہو جاتا اور میں نے انہیں کبھی بلاوجہ حدیث بیان کرتے نہیں دیکھا۔

امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کا طریقِ ادبِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم

مصعب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کا ذکر کرتے یا اُن کے پاس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر کیا جاتا تو اُن کے چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا اور نبی صلے اللہ علیہ وسلّم کی تعظیم کے باعث جھک جاتے۔ یہاں تک کہ ان کے ہمنشینوں پر گراں گزرتا پس آپ سے ایک دن اس کا باعث دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا

لَوْ رَأَيْتُمْ مَّا رَأَيْتُ لَمَا أَنْكَرْتُمْ عَلَيَّ مَا تَرَوْنَ ۔ یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رفعتِ شان اور عظمتِ مکان جو میں جانتا ہوں اگر تم اُسے جانتے تو ہرگز تم اپنے دیکھے ہوئے پر انکار نہ کرتے۔ ؎

نمیدانم کجا میں تو بہار جلوہ مے آید
کہ در پرواز آمد رنگِ رو گلہائے بستاں را

مصعب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کوئی حدیث بیان فرماتے تو پہلے وضو کرتے پھر کپڑے وغیرہ پہن کر آراستہ ہوتے پھر حدیث شریف بیان کرتے اور جب کوئی شخص دروازے پر آتا۔ تو

لونڈی بھیج کر دریافت فرماتے کہ تم کیوں آئے ہو؟ کوئی حدیث پوچھنے آئے ہو یا مسائلِ فقہ؟ اگر وہ کہتا کہ مسائلِ فقہ پوچھنے آیا ہوں تو آپ اُسی حالت میں باہر آکر اُسے مسئلہ بتلا دیتے اور اگر وہ کہتا کہ حدیث پوچھنے آیا ہوں تو آپ غسل خانے میں جاکر غسل فرماتے اور نئے کپڑے پہنتے خوشبو لگاتے، عمامہ باندھتے، سبز چادر اوڑھتے اور ان کے واسطے خاص اس وقت کے لئے ایک کرسی بچھائی جاتی۔ پس آپ آکر اُس پر بیٹھتے اور نہایت خضوع وخشوع کے ساتھ حدیث بیان فرماتے اور جب تک حدیث بیان کرتے رہتے۔ خوشبو سلگتی رہتی۔

عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمتِ اقدس میں حاضر تھا اور آپ حدیث شریف بیان فرما رہے تھے کہ آپ کو بچھو نے سولہ بار کاٹا اور آپ کے چہرہ کا رنگ زرد ہو گیا مگر آپ نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی حدیث کا بیان کرنا نہ چھوڑا۔ جب آپ حدیث ختم کر چکے اور لوگ چلے گئے تو میں نے دریافت کیا۔ فرمایا کہ آج میرے حدیث بیان کرنے میں بچھو نے سولہ بار کاٹا اور میں نے حدیث کی عظمت و اجلال کے باعث صبر کیا۔

سبحان اللہ! ان حضرات کے دلوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کیسا احترام جاگزیں تھا کہ سولہ بار بچھو کاٹے اور اُف نہ کریں۔ جان جائے۔ مگر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توقیر میں خلل نہ آئے۔ بخلاف آج کل کے بعض مدعیانِ علم کے کہ وہ عمداً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیصِ شان کرتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ انکو ہدایت بخشے۔

حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کا طریق ادبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

حدیث صحیح میں مروی ہے کہ ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی پیشانی میں بال اس قدر دراز تھے کہ جب وہ بیٹھتے اور اُن بالوں کو چھوڑ دیتے تو زمین پر پہنچتے۔ لوگوں نے اُن سے پوچھا کہ تم نے ان بالوں کو اتنا کیوں بڑھایا ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں اس وجہ سے ان کو نہیں کٹواتا کہ ایک وقت ان پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دستِ مبارک لگا تھا۔ اس لئے میں نے تبرکاً ان بالوں کو رکھا ہوا ہے۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا طریق ادب رسول صلے اللہ علیہ وسلم

حدیث میں ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی ٹوپی میں حضور علیہ الصلوٰۃ و والسلام کے چند موئے مُبارک تبرکاً تھے۔ ایک جنگ میں آپ کی وہ ٹوپی گر پڑی۔ آپ نے اُس کے حصول کے واسطے سخت جنگ کی حتیٰ کہ چند مسلمان بھی اُس میں شہید ہو گئے صحابہ کرام نے انکو الزام دیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے یہ فعل ٹوپی کے واسطے نہیں کیا بلکہ اُن موئے مُبارک کے واسطے کیا جو اس میں ہیں تاکہ وہ ضائع نہ ہوں اور کفار کے ہاتھ میں نہ جانے پائیں اور مجھ سے اُس کی برکت جاتی نہ رہے۔

امیر مُعاویہ رضی اللہ عنہ کا ادب رسول صلے اللہ علیہ وسلم

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ الخلفاء میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حال میں لکھا ہے۔

وَكَانَ عِنْدَهٗ شَىْءٌ مِّنْ شَعْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقُلَامَةِ اَظْفَارِهٖ فَاَوْصٰى اَنْ تُجْعَلَ فِىْ فَمِهٖ وَعَيْنَيْهِ وَقَالَ افْعَلُوْا ذٰلِكَ وَخَلُّوْا بَيْنِىْ وَبَيْنَ اَرْحَمِ الرَّاحِمِيْنَ۔

یعنی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے کچھ موئے مُبارک اور تراشہ ناخن محفوظ تھے۔ جب وہ مرنے لگے تو وصیت کی کہ یہ چیزیں میرے منہ اور آنکھوں میں رکھ دینا اور پھر میرا معاملہ ارحم الراحمین کے سپرد کر دینا۔"

اس سے ظاہر ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان متبرک چیزوں کو خدائے تعالےٰ کے حضور میں جاتے وقت اپنی تقصیروں کی معافی کا ذریعہ قرار دیا اور اُمید کامل باندھ لی کہ انکی بدولت میری مغفرت ہو جائیگی۔ سُبحان اللہ یہ تھا ادب رسول اور کمال عقیدہ سچے مسلمانوں کا۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا ادب رسول صلے اللہ علیہ وسلم

مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے اپنے ہاتھ کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بیٹھنے کی جگہ پر رکھا پھر اس کو اپنے منہ پر ملا۔

مستدرک حاکم میں عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جب ہم لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو عظمت کے لحاظ سے کوئی شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سر نہ اٹھاتا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روبرو تو اس قسم کا ادب ہوتا ہی تھا لیکن وہ حضرات جب حدیث شریف کے حلقوں میں بیٹھتے تھے۔ تو اس خشوع وخضوع کے ساتھ سر جھکائے بیٹھے تھے۔ گویا کہ گردنوں پر سر ہی نہیں۔ چنانچہ مستدرک میں ہے کہ عبدالرحمٰن بن قرط رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک بار میں مسجد میں گیا۔ دیکھا کہ ایک حلقہ میں لوگ ایسے سر جھکائے بیٹھے ہیں کہ گویا ان کی گردنوں پر سر ہی نہیں۔ یعنی سب لوگ حدیث شریف سننے والے کچھ ایسے مؤدبانہ سر جھکائے بیٹھے تھے کہ گردنوں پر سر نہیں دکھائی دیتے تھے اور ایک صاحب حدیث شریف بیان کر رہے تھے جب غور سے انکو دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ حذیفہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

اب ذرا زمانہ کے انقلاب اور طبیعتوں کی رفتار کو دیکھنا چاہیئے کہ بعد خیر القرون نے لوگوں کو ان حضرات کے مسلک سے کس قدر دور کر دیا ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ معاملہ بالکل بالعکس ہو گیا ہے۔ اس زمانہ میں حالانکہ ان امور کی تعلیم عموماً نہ تھی مگر دل ہی کچھ ایسے مہذب اور مؤدب تھے کہ قسم قسم کے آداب اور طرح طرح کے حسن عقیدت پر دلالت کرنے والے افعال خود بخود ان سے ظہور پاتے تھے اور وہ ان کو اصول شرعیہ پر منطبق کر دیتے تھے۔ جس کا سمجھنا بھی شاید اس زمانہ میں بآسانی نہ ہو سکے۔ کیوں نہ ہو۔ ان حضرات کے دل وہ تھے جن کو تمام بندوں کے دلوں پر فضیلت ہونے کی وجہ سے اللہ تعالےٰ نے صحابیت کے واسطے منتخب فرمایا تھا۔ چنانچہ دیلمی نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالےٰ نے تمام بندوں کے دلوں کو دیکھا تو میرے اصحاب

کے دلوں سے پاکیزہ تر کوئی دل نہ پایا اسی واسطے اُن کو میرے اصحاب ہونے کے لئے پسند فرمایا۔ جو کام وہ اچھا سمجھتے ہیں اللہ کے نزدیک بھی وہ اچھا ہے اور جس کو وہ بُرا جانتے ہیں اللہ کے نزدیک بھی وُہ بُرا ہے۔

غرض وہ ہر قسم کے آداب کے سب سے اعلےٰ مظہر تھے اور اُن پر کوئی اعتراض بھی نہ کرتا تھا اس لئے کہ اسوقت تک بے ادبی کی بنیاد نہ پڑی تھی اور اگر چند خود سروں نے بُنیاد ڈالی بھی تھی تو اس وجہ سے کہ اُن کی بد اعتقادیوں نے انکو دائرہ اتباع سے خارج اور دوسرے نام کے ساتھ مشہور کر دیا تھا۔ ان کی باتیں کسی کی سمع قبول تک پہنچی ہی نہ تھیں۔

الحاصل خیر القرون کا یہ حال تھا کہ ہر قسم کے آداب کی بُنیاد رکھی جاتی تھی اور اس آخری زمانہ کا حال یہ ہے کہ باوجودیکہ اُن حضرات نے جن کا اتباع بحسب ارشادِ شارع علیہ السلام ضروری ہے۔ طرح طرح کے آداب تعلیم کر گئے اگر کسی سے اس قسم کے افعال صادر ہو جائیں تو ہر طرف سے اعتراضات کی بوچھاڑ ہونے لگتی ہے اور صرف اعتراض ہی نہیں بلکہ شرک کے الزام تک نوبت پہنچا دیجاتی ہے۔ اللہ تعالےٰ مسلمانوں کو ادب نصیب کرے۔ ؎

از خدا خواہیم توفیقِ ادب ۔۔۔ بے ادب محروم ماند از فضلِ ربّ

حضرت رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم کا زندگی میں اور بعد وصال یکساں واجب ہونا

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم کرنی جیسی آپ کی زندگی میں واجب و لازم ہے ویسے ہی آپ کے وصال کے بعد بھی واجب و لازم ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔

عَنْ اَبِیْ بَکْرِنِ الصِّدِّیْقِ قَالَ لَا یَنْبَغِیْ رَفْعُ الصَّوْتِ عَلٰی نَبِیٍّ حَیًّا وَّلَا مَیِّتًا۔

یعنی ابُوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور میں آواز کو بلند کرنا نہیں چاہیئے نہ زندگی میں اور نہ ہی وصال کے بعد

روضۂ مبارک کے قریب میخ گاڑنے پہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا تہدیدی حکم

رُوِیَ عَنْ عَائِشَۃَ اَنَّھَا کَانَتْ تَسْمَعُ صَوْتَ وَتَدٍ یُوْتَدُ وَالْمِسْمَارُ یُضْرَبُ

فِی بَعْضِ الدُّوْرِ الْمُتَّصِلَةِ بِمَسْجِدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَتُرْسِلُ اِلَیْھِمْ لَا تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ۔
رُوِیَ وَمَا عَمِلَ عَلِیٌّ مِصْرَاعَیْ بَابِہٖ بِالْمَنَاصِعِ اِلَّا تَوَقِّیًا لِذٰلِکَ وَتَاَدُّبًا مَعَہٗ ۔

یعنی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ اس کھونٹی کی آواز جو مسجد نبوی کے اردگرد گھروں میں گاڑی جاتی تھی اور اس میخ کی آواز جو ٹھونکی جاتی تھی سنتی تھیں۔ انہوں نے ان گھر والوں کے پاس کہلا بھیجا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اذیت نہ دو۔ یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دروازے کے کواڑ اس وعید سے بچنے کے لئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ادب کے لحاظ کرکے بنائے ہوئے تھے۔

مسجد نبوی میں چلّا کر بولنے پر حضرت عُمر رضی اللہ عنہ کا تعزیری حکم

مسجد نبوی میں اُونچی بولنا ممنوع ہے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی میں بلند آواز کرنے والوں کو تنبیہ کی اور ڈانٹا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

عَنِ السَّائِبِ بْنِ یَزِیْدٍ قَالَ کُنْتُ قَائِمًا فِی الْمَسْجِدِ فَحَصَبَنِیْ رَجُلٌ فَنَظَرْتُ فَاِذَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ اذْھَبْ فَأْتِنِیْ بِھٰذَیْنِ فَجِئْتُ بِھِمَا قَالَ مَنْ اَنْتُمَا اَوْ مِنْ اَیْنَ اَنْتُمَا قَالَا مِنْ اَھْلِ الطَّائِفِ قَالَ لَوْ کُنْتُمَا مِنْ اَھْلِ الْبَلَدِ لَاَوْجَعْتُکُمَا تَرْفَعَانِ اَصْوَاتَکُمَا فِیْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ۔
(رواہ البخاری)

یعنی صحیح بخاری میں سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا میں ایک بار مسجد نبوی میں کھڑا تھا کہ کسی نے مجھے کنکری ماری دیکھا تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں انہوں نے کہا جاؤ اور ان دو شخصوں کو لے آؤ جب ان دونوں کو میں ان کے پاس لے گیا تو پوچھا تم کون ہو؟ یا کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم طائف کے ہیں آپ نے فرمایا کہ اگر تم اس شہر سے ہوتے تو میں تم کو ضرور اذیت پہنچاتا اور مارتا اس واسطے کہ تم مسجد نبوی میں آواز بلند کرتے ہو۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ مسجد نبوی میں کوئی شخص آواز بلند نہیں کر سکتا تھا اور اگر کوئی کرتا بھی تو مستحقِ تعزیر سمجھا جاتا تھا۔ باوجودیکہ سائب بن یزید رضی اللہ عنہ چنداں دور نہ تھے مگر اسی ادب سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کو پکارا نہیں بلکہ کنکری پھینک کر اپنی طرف متوجہ کیا۔ یہ تمام ادب اسی وجہ سے تھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام وہاں بحیاتِ ابدی تشریف رکھتے ہیں کیونکہ اگر لحاظ صرف مسجد ہونے کا ہوتا تو فِی مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

دوسرا قرینہ یہ ہے کہ اس تعزیر کو اہلِ شہر کے لئے خاص فرمایا جن کو مسجد شریف کے آداب بخوبی معلوم تھے۔ اگر صرف مسجد ہی کا لحاظ ہوتا تو اہلِ طائف بھی معذور نہ رکھے جاتے کیونکہ آخر وہاں بھی مسجدیں تھیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا خلیفہ ابوجعفر کو مسجد نبوی میں چلا کر بولنے پر ڈانٹنا

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے خلیفۂ وقت ابوجعفر کو مسجد نبوی میں اُن کے آوازِ بلند بولنے پر ڈانٹا چنانچہ درمنظم میں ابن حجر ہیثمی اور شفا میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہما نے بسند متصل روایت کی ہے۔

عَنِ ابْنِ حُمَیْدٍ قَالَ نَاظَرَ اَبُوْ جَعْفَرٍ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ مَالِکًا فِیْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَہٗ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَا تَرْفَعْ صَوْتَکَ فِیْ ھٰذَا الْمَسْجِدِ فَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی اَدَّبَ قَوْمًا فَقَالَ لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَمَدَحَ قَوْمًا فَقَالَ اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَھُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ الْاٰیَۃ وَذَمَّ قَوْمًا فَقَالَ اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرَاتِ الْاٰیَۃ وَاِنَّ حُرْمَتَہٗ مَیِّتًا کَحُرْمَتِہٖ حَیًّا فَاسْتَکَانَ لَھَا اَبُوْ جَعْفَرٍ وَقَالَ یَا اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ اَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَۃَ وَاَدْعُوْ اَمْ اَسْتَقْبِلُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِمَ تَصْرِفُ وَجْھَکَ عَنْہُ وَھُوَ وَسِیْلَتُکَ وَوَسِیْلَۃُ اَبِیْکَ اٰدَمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ اِلَی اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ

بَلِ اسْتَقْبِلْهُ وَاسْتَشْفِعْ بِهٖ فَيُشَفِّعُكَ اللّٰهُ وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ الاٰيۃ

یعنی امیر المومنین ابو جعفر منصور نے جو خلفائے عباسیہ سے دوسرے خلیفہ ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مسجد نبوی میں کسی مسئلہ میں مباحثہ کیا جس میں اُن کی آواز کچھ بلند ہو گئی۔ اس پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اے امیر المومنین! اس مسجد میں آواز بلند نہ کیجیے کیونکہ اللہ تعالٰے نے تادیب کی ایک قوم کی اس آیت شریف میں یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ یعنی اے مسلمانو! اپنی آواز نبی کی آواز پر بلند نہ کرو۔ یعنی میرے حبیب کے دربار میں اپنی آواز بلند نہ کرو! اور مدح کی اُن لوگوں کی جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آواز پست کیا کرتے تھے۔

چنانچہ ارشاد فرمایا سورہ حجرات رکوع ا میں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَھُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی لَھُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ	یعنی جو لوگ دبی آواز سے بولا کرتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس وہی لوگ ہیں کہ اللہ تعالٰے نے جانچ لیا ہے انکے دلوں کو پرہیزگاری کیلئے۔ انکے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

اور مذمت کی اس قوم کی جو حجرہ کے باہر سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پکارتے تھے چنانچہ اسی سورۃ میں ارشاد فرمایا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ وَلَوْ اَنَّھُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْھِمْ لَكَانَ خَیْرًا لَّھُمْ	یعنی اور جو لوگ کہ تجھ کو حجروں کے باہر پکارتے ہیں وہ اکثر بیوقوف ہیں اور اگر وہ صبر کرتے یہانتک کہ تو اُن کی طرف از خود نکلتا۔ تو اُن کے حق میں بہتر تھا!

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حرمت وصال کے بعد بھی وہی ہے جو قبل وصال کے تھی امیر المومنین یہ سنتے ہی متادب اور متذلل ہو گئے۔ پھر پوچھا اے ابا عبد اللہ! قبلہ کی طرف متوجہ

ہوکر دعا کروں یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوں ؟ آپ نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے کیوں منہ پھیرتے ہو ؟ وہ تو وسیلہ ہیں آپ کے اور آپ کے باپ آدم علیہ السلام کے قیامت کے روز تو حضرت کی طرف متوجہ ہوکر شفاعت وسفارش طلب کیجئے کہ اللہ تعالیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت قبول کرے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝	یعنی اور اگر یہ لوگ جب انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا تھا تو تیرے پاس آجاتے پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے اور رسول اُن کے واسطے معافی چاہتا تو ضرور پاتے اللہ کو توبہ قبول کرنیوالا مہربان

یہاں سے صاف ظاہر ہے کہ جو لوگ مراتب تعظیم اور آداب رسالت کا لحاظ رکھیں گے وُہی اس وعدے میں داخل ہیں۔ برخلاف ان کے جو بے ادبی سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور میں بولتے ہیں کہ ان کے نیک عمل بھی ضائع ہو جاتے ہیں۔

مسلمانو ! ان بزرگوں کے اعتقادوں کو دیکھیے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے آواز بلند کرنے کے باب میں ان آیات سے استدلال کیا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ اور اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ۔ اور خلیفہ وقت نے پوچھا تک نہیں کہ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ اور یُنَادُوْنَكَ کے معنی یہاں کیونکر صادق آتے ہیں اور اگر اجتہاد کیا گیا تو اس کا طریقہ کیا ہے۔ پھر یہ بھی نہ تھا کہ خلیفہ موصوف کچھ جاہل تھا بلکہ وہ نہایت کامل العقل۔ عالم جید اور ادیب اور متدین تھا۔ مگر معلوم نہیں اس استدلال میں کس درجہ کی قوت تھی جس نے خلیفہ وقت کو عین مباحثہ میں ساکت کر دیا۔ اگر اس زمانہ میں کوئی شخص اس قسم کا استدلال کرے تو اُس پر سینکڑوں اعتراض کئے جائیں گے۔ علیٰ ہذا اگر کوئی شخص اس استدلال کی نزاکت کو نہ سمجھ کر اُس میں کچھ کلام کرے تو وہ کونسا مسلمان ہوگا جو معترض کی رائے کو امام مالک کی رائے پر ترجیح دے گا کیونکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وہ شخص ہیں کہ جن کے شاگردوں کے شاگرد ہونے پر امام بخاری اور مسلم وغیرہ محدثین کو فخر حاصل ہے غرض اس استدلال

پر محبت کرنے والا جاہلِ مطلق اور علم سے بے بہرہ ہے۔

مسلمانو! امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ان آیات سے وہ ادب استنباط کیا کہ اس کی بدولت قیامت تک اہلِ ایمان بہرہ اندوز اور متمتع رہیں گے۔ (جزاہ اللہ تعالیٰ عنا خیر الجزاء)

صحابہ کرام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نامِ مبارک کے ساتھ بابی کہتے

بخاری شریف میں ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی عادت تھی کہ جب کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک کرتیں تو بابی کہتیں چنانچہ ام المومنین فرماتی ہیں۔

وَقَلَّمَا ذَكَرَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا قَالَتْ بِاَبِیْ ۔

یعنی کم اتفاق ہوتا تھا کہ ذکر شریف کے وقت یہ لفظ نہ کہتی ہوں معنی اسکے یہ ہیں کہ میرے باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سے فدا ہوں۔

صحابہ کرام اکثر بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کہا کرتے تھے۔ چنانچہ کتب احادیث میں موجود ہے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ آپ کے اشفاق و مراحم کے روبرو مہرِ مادری اور شفقت پدری کی کچھ حقیقت نہیں ان دونوں کو آپ پر سے فدا کرنا چاہیئے۔

سبحان اللہ کیا ادب تھا کہ روبرو تو روبرو غائبانہ وصال شریف کے بعد بھی وہ ادب مرعی تھا کہ جب تک ماں باپ کو فدا نہیں کرتے نام مبارک کو ذکر نہیں کرتے تھے۔

آپ کے نامِ مبارک کا ادب کافر بھی کرتے تھے

کیوں نہ ہو یہ نام مبارک وہ تھا کہ جس کے ذکر میں کفار بھی بسا اوقات متادب ہو جاتے تھے۔ چنانچہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مواہب لدنیہ میں اور زرقانی رحمۃ اللہ نے شرح مواہب اللدنیہ میں لکھا ہے کہ ایک جماعت قبیلہ کندہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور وہ الفاظ تحیت کے ادا کیے جو اس زمانہ میں سلاطین کے حضور میں کہے جاتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں بادشاہ نہیں ہوں بلکہ محمد بن عبداللہ ہوں۔ انہوں نے کہا ہم آپ کو نام لیکر نہیں پکاریں گے۔ آپ نے فرمایا کہ میں ابوالقاسم ہوں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ اے ابوالقاسم فرمائیے کہ ہم نے اپنے دل میں کیا چھپایا ہے؟ حضور

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا یہ تو کاہنوں کا کام ہے اور کاہن اور ان کا پیشہ دوزخی ہے۔ انہوں نے کہا کہ پھر کیونکر معلوم ہو کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ تب آپ نے ایک مٹھی کنکریاں اٹھائیں اور فرمایا کہ دیکھو یہ گواہی دیتی ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ چنانچہ اسی وقت کنکریاں دستِ مبارک میں تسبیح کرنے لگیں۔ یہ سن کر حاضرین نے صدقِ دل سے کلمۂ شہادت پڑھا جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم بھی گواہی دیتے ہیں کہ بیشک آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور وہ سب لوگ مشرف باسلام ہوئے۔

ظاہر ہے کہ یہ لوگ قبل امتحان مشرف باسلام نہیں تھے باوجود اس کے نام مبارک لینے میں ترک ادب سمجھا۔ کیا تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہی ادب پسند آگیا ہو جس سے انکو ابدالآباد کے لئے عزت و شرافت حاصل ہوگئی کہ مسلمان ہو کر جنت الفردوس میں داخل ہوگئے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا طریقِ ادب رسول صلے اللہ علیہ وسلم

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جذب القلوب میں ارقام فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مدینۂ طیبہ میں اپنے گھوڑے پر سوار نہ ہوتے تھے۔ کیونکہ وہ فرماتے تھے کہ مجھ کو شرم آتی ہے کہ میں اس زمین کو گھوڑے کے سُم سے روندوں۔ جس پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک لگے ہوئے ہیں۔ فی الحقیقت وہ زمین پاک نہایت واجب التعظیم ہے۔ بقول حافظ رحمۃ اللہ علیہ ؎

بمقامیکہ نشانِ کفِ پائے تو بود
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

امام بخاری کا طریقِ ادب رسول صلے اللہ علیہ وسلم

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے حال میں مرقوم ہے کہ آپ صحیح بخاری کے جمع کرنے کے وقت ہر حدیث لکھنے کے واسطے تازہ غسل کیا کرتے اور دوگانہ نماز پڑھتے

تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ زمزم سے غسل کرتے اور مقام ابراہیم پر دوگانہ پڑھتے تھے۔

چونکہ اس طرح انہوں نے حدیث نبوی کی تعظیم اور توقیر کی ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالٰی نے اُن کو ایسا فضلِ عظیم دیا ہے کہ تمام مسلمان اُن کو اپنا امام جانتے ہیں۔ اور اُن کی تعظیم اور اُن کی کتاب کی وہ قدر ہوئی کہ دنیا میں سوائے قرآن مجید کے کسی اور کتاب کی ایسی قدر و منزلت نہیں ہوئی یہ مقبولیت محض ادبِ حدیث کا سبب تھا ورنہ احادیثِ صحیحہ کی اور بھی بیشمار کتابیں تھیں۔

جمہور علمائے اہلِ سنت والجماعۃ کا اس پر اتفاق ہے کہ اَصَحُّ الْکُتُبِ بَعْدَ کِتَابِ اللّٰہِ کِتَابُ الْبُخَارِیِّ یعنی تمام کتابوں سے زیادہ صحیح کتاب کتاب اللہ کے بعد بخاری کی کتاب ہے۔

امام شافعی کا طریقِ ادبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تنزیہ الانبیاء عن تشبیہ الاغبیاء میں امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ترشیح سے نقل کیا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض تصانیف میں وہ قصہ نقل کیا جو کسی عورت نے کچھ مال چرایا تھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا اور کسی نے سفارش کی پھر وہ حدیث نقل کی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس وقت فرمایا کہ اگر فلاں عورت بھی (جو ایک شریفہ تھیں) چرائیں تو اُن کا بھی ہاتھ قطع کیا جاتا۔

امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ادب دیکھو کہ حدیث شریف میں فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نام مصرح ہے۔ اگر بعینہٖ حدیث نقل کر دیتے تو کوئی بے جا اور بے موقع بات نہ تھی لیکن آپ نے از راہِ کمالِ ادب صراحۃً نام مبارک کو ذکر نہ کیا۔

سبحان اللہ کیا ادب تھا۔ حالانکہ الفاظِ حدیث کو بعینہٖ نقل کرنا ضروری ہے اور وہ نام مبارک جو حدیث شریف میں وارد ہے لفظ لَوْ کے تحت میں ہے۔ جو علیٰ سبیل فرضِ محال آتا ہے مگر بایں ہمہ چونکہ حدیث شریف میں یہ نام مبارک مقام توہین میں وارد تھا۔ اس لئے

ادب نے اجازت نہ دی کہ اُس نام مبارک کو صراحتہً ذکر کریں گو حدیث شریف میں وارد ہے
پسخ ہے جو مقربین بارگاہ ہوتے ہیں اُنہی کو ادب نصیب ہوتا ہے۔ ہر کس و ناکس میں
وہ صلاحیت کہاں ہے

از خدا خواہیم توفیقِ ادب بے ادب محروم ماند از فضلِ رب

سلطان محمود غزنوی کا طریقِ ادبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کہتے ہیں کہ غازی سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے غلام ایاز کا ایک بیٹا تھا جو بادشاہ کا ملازم تھا اور اُس کا نام محمد تھا۔ ایک دن بادشاہ سلامت نے ایاز کی موجودگی میں اُس سے یوں خطاب کیا کہ اے ایاز کے بیٹے! وضو کا پانی لاؤ۔ ایاز نے ان الفاظ کو سُن کر دل ہی دل میں خیال کیا کہ نہ معلوم میرے بیٹے نے کیا خطا کی کہ جس کے باعث بادشاہ سلامت نے اسکو نام سے نہیں بلایا۔ پس جب سلطان محمود وضو سے فارغ ہوگئے تو ایاز کی طرف دیکھا کہ وہ مغموم وملول ہے اس سے غم ورنج کا سبب پوچھا اُس نے دست بستہ کھڑے ہوکر عرض کی کہ عالیجاہا! میرے مغموم ہونے کا باعث یہ ہے چونکہ حضور نے میرے لختِ جگر کو نام لیکر نہیں بلایا اس لئے مجھے میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید اس سے کوئی بے ادبی اور گستاخی سرزد ہوئی ہے کہ جس کے باعث آپ اُس سے خفا اور ناراض ہیں۔ بادشاہ سلامت نے مسکرا کر کہا۔ اے ایاز! خاطر جمع رکھ۔ تمہارے صاحبزادے سے کوئی بات میری طبع کے خلاف سرزد نہیں ہوئی اور نہ ہی میں اس سے کسی طرح ناراض یا خفا ہوں اس وقت نام نہ لینے میں یہ حکمت تھی کہ میں اس وقت بے وضو تھا۔ چونکہ یہ آقائے نامدار سرورِ کونین رحمۃ للعالمین کا ہمنام تھا۔ اس لئے مجھے شرم آئی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام مبارک ایسی حالت میں میری زبان سے گزرے جب کہ میں بے وضو یا بے طہارت ہوں۔ ولنعم ما قیل۔ ؎

ہزار بار بشویم دہن بمشک وگلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

مسلمانو! تم کو بھی لازم ہے کہ تم بھی اسی طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کرو جس طرح بزرگانِ دین کیا کرتے تھے اور ہر بات میں آپ کا ادب ملحوظ رکھو جس وقت آپ کا ذکر ہو یا آپ کا نام مبارک لیا جائے یا آپ کا کلام پڑھا جائے یا آپ کے فضائل ومحامد بیان کئے جائیں تو نہایت متوجہ ہوکر حضورِ قلب کے ساتھ سُنا کرو۔ اور جب تک ایسے مقام میں رہو درود شریف کی کثرت کیا کرو کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہے بلکہ حقیقت میں تمہارا اپنا ہی نفع اور بہبودی ہے۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالےٰ تمام مسلمانوں کے دلوں میں حبیبِ خُدا اشرفِ انبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی عظمت ومحبت ڈالے۔ حضور کا سچا تابعدار اور فرمانبردار بنائے اور قیامت میں حضور کی معیت سے شاد کام فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ ؎

دیدہ باشی تشنہ مستعجل بر آب — جاں بجاناں ہمچناں مستعجل است

باب پنجم

فوائدِ آدابِ بزرگاں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ ادب سے گفتگو کرنیسے مغفرتِ گناہاں

جو لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرتے وقت ادب کو نگاہ رکھتے تھے ان کو محض اس ادب کی خاطر گناہوں کی مغفرت کا پروانہ مل جاتا تھا۔

چنانچہ اللہ تعالےٰ سورۂ حجرات رکوع ۱ میں ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰیؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ۝

یعنی جو لوگ دبی آواز سے بولا کرتے ہیں رسول اللہ کے پاس وہی لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جانچ لیا ہے اُن کے دلوں کو پرہیزگاری کیلئے ان کے لئے مغفرت اور اجرِ عظیم ہے۔

سُبحان اللہ! کس قدر رحمت اور فضلِ الٰہی مؤدبوں کے لئے موجزن ہے کہ اگرچہ گنہگار ہوں علاوہ مغفرت گناہ کے بہت بڑے ثواب کا وعدہ دیا جا رہا ہے۔ ؎

سرمایۂ ادب بکف آور کہ ایں متاع   آنرا کہ ہست فیضِ ابد آید ش بدست

اس آیت شریف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر کس و ناکس کو ادب نصیب نہیں ہو سکتا یہ دولت ان لوگوں کے حصہ میں ودیعت رکھی گئی ہے جن کے دل امتحانِ الٰہی میں پورے اترتے ہیں، اور جن میں کامل طور پر تقویٰ کی صلاحیت موجود ہے۔

ایک بدکار کا حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک پر بوسہ دینے سے بخشا جانا

حلیہ ابی نعیم میں وہب بن منبہ سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص کا ذکر کرتے ہیں کہ وہ دو سو برس تک فسق و

فجور میں مبتلا رہا، تمام لوگ اس کے فسق و فجور سے تنگ آ گئے جب وہ مر گیا تو لوگوں نے اس کو اٹھا کر بول و براز کے مزبلہ پر پھینک دیا۔ اسی وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ آج ہمارے ایک دوست نے دنیا سے انتقال کیا لوگوں نے اس کو بول و براز میں پھینک دیا ابھی جاؤ اور اس کی تجہیز و تکفین کرو اور بنی اسرائیل سے کہدو کہ اگر اپنی مغفرت چاہتے ہو تو اس کے جنازہ کی نماز پڑھو۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کی مغفرت کا سبب پوچھا، حکم ہوا کہ بے شک اس نے دوسو برس کے عرصے میں بے شمار گناہ کئے ہیں۔ اور وہ مغفرت کے لائق بھی نہ تھا مگر بات یہ ہے کہ یہ شخص ایک دن تورات پڑھتا تھا۔ جس وقت اس نے میرے حبیب کا نام مبارک لکھا ہوا دیکھا فوراً آبدیدہ ہو کر اس نے اس ورق کو بوسہ دیا اور اپنی آنکھوں سے لگایا ہم کو اپنے حبیب کی تعظیم و توقیر پسند آئی اور اس تعظیم کی برکت سے اس کے دو سو برس کے گناہ معاف کر دیئے۔ (سیرۃ الحلبی)

اس روایت سے ظاہر ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام مبارک کے مقام پر بوسہ دینے کی برکت سے دو سو برس کا گنہگار جنتی اور مقبول بارگاہ ایزدی ہو گیا۔ پس جب ادب کا یہ رتبہ ہو کہ گذشتہ امت والوں کو اس خوبی کے ساتھ سرفراز کرا دے تو قیاس کرو کہ ہم خاص غلاموں کو اس سے کس قدر توقع ہو سکتی ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت کا نام مبارک جس مقام پر لکھا تھا اس سے برکت حاصل کی گئی اور ادب کی راہ سے اسکو بوسہ دیکر آنکھوں پر رکھا گیا حالانکہ ذات مبارک سے حروف مکتوبہ کو کوئی تعلق نہیں اگر ہے تو صرف اسی قدر کہ حضرت کی ذات مبارک پر وہ دلالت کرنے والا ہے۔ حالانکہ دال اور مدلول میں کوئی ذاتی مناسبت نہیں ہوتی بلکہ صرف وضع واضع سے یہ دلالت پیدا ہوتی ہے۔ وہ بھی انہی لوگوں کے حق میں جو وضع سے واقف ہوں۔ باوجود اس کے اس نام کے مکتوب سے پوری برکت حاصل ہوئی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث لکھنے والے قلم کی تعظیم

ایک بزرگ کے احوال میں لکھا ہے کہ آپ کا حدیث شریف کا لکھنا زندگی بھر کا شغل رہا لیکن جس قلم سے لکھنا ہوتا اس کی بھی اس قدر تعظیم منظور تھی کہ اسکو بناتے وقت تراشتے کے

ریزے زمین پر گرنے اور ضائع ہونے نہ دیتے تھے بلکہ اُن کو باحتیاط جمع کر کے محفوظ رکھتے جاتے۔ جب ان بزرگ نے وفات پائی تو یہ تراشۂ قلم اس قدر جمع ہو گیا کہ ان کے گھر کے لوگوں نے اُسی کو جلا کر پانی گرم کیا اور اس سے آپ کو غسل دیا گیا۔

غور کرنا چاہیئے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نام پاک یا آپ کی حدیث شریف کا ادب و تعظیم تو ایک سمجھ میں آجانے والی بات بھی ہے مگر اس درجہ کا ادب عوام کے قیاس سے بھی بالاتر ہے کہ نام پاک کو لکھنے والے قلم کا ہی ادب نہیں بلکہ اس کے اس تراشہ کا بھی ادب کیا جائے جو قلم کے فعل تحریر سے پہلے اس سے جُدا ہو رہا ہے۔ سچ ہے انہی اوصافِ کاملہ نے ان حضرات کو آسمانِ کمال کا مہرِ درخشاں بنا دیا تھا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام مُبارک پر بوسہ دینے کا فائدہ

انجیل میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لکھے ہوئے نام مُبارک کو صرف چُومنے سے نصرانی کئی فتنہ و تکالیف سے بچ گئے۔ چنانچہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ مثنوی معنوی میں فرماتے ہیں ؎

بود در انجیل نام مصطفا ۔۔۔ آں سر پیغمبراں بحرِ صفا
بود ذکرِ حلیہا و شکلِ او ۔۔۔ بود ذکرِ غز و صوم و اکل او
طائفۂ نصرانیاں بہرِ ثواب ۔۔۔ چوں رسیدندے بداں نام و خطاب
بوسہ دادندے برآں نامِ شریف ۔۔۔ رو نہادندے برآں وصفِ شریف

مطلب ان اشعار کا یہ ہے کہ انجیل میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا نام مُبارک لکھا ہُوا تھا جو پیغمبروں کے سردار اور پاکیزگی کے دریا ہیں۔ آپ کا حلیہ شریف بھی اس میں مذکور تھا اور آپ کی صورت و شکل کا اور آپ کے جہاد اور روزہ اور اکل و شرب وغیرہ سب امور کا اس میں بیان تھا۔ عیسائیوں میں سے ایک گروہ کی یہ عادت تھی کہ جب اس مُبارک نام و خطاب پر تلاوت کرتے وقت پہنچتے تو ثواب حاصل کرنے کو آپ کے اسم شریف پر بوسہ دیتے اور آپ کے اوصافِ لطیف پر رخسارہ ملتے محبت و تعظیم سے ؎

اندریں قصہ کہ گفتیم آں گروہ! ایمن از فتنہ بُدند و از شکوہ

ایمن از شرّ امیراں و وزیر در پناہِ نامِ احمد مستجیر!!

نسلِ ایشاں نیز ہم بسیار شد! نامِ احمد ناصر آمد یار شد!

یعنی ہم نے جو فتنہ وزیر کا بیان کیا ہے اس قصہ میں وہ لوگ اس عمل کی برکت سے فتنہ وزیر اور خوف و ضرر امراء سے مامون رہے نہ اُمراء کا شرّ جنگ کہ ہلاکِ جسمانی تھا اُن کو پہنچا اور نہ وزیر کا فتنہ اضلال کہ ہلاکِ روحانی تھا اُن تک آیا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اسم مُبارک کی حمایت میں اُنکو پناہ مل گئی۔ اور ان سے اُن کی نسل بھی بہت بڑھ گئی حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کا اسم مُبارک اُن کا ناصر اور رفیق ہوگیا۔ ے

نامِ احمد چوں چنیں یاری کند تا کہ نورش چوں مددگاری کند!

نامِ احمد چوں حصارے شد حصین تا چہ باشد ذاتِ آں روح الامین

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم کا نام مُبارک ایسی رفاقت کرتا ہے تو آپ کا نور مُبارک ذات مُبارک بھلا کیسی مدد کرتا ہوگا یعنی حضور کے اتباع سے کس قدر نفع ہوگا جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام مُبارک ایسا مستحکم قلعہ ہے کہ شر ورد کو قریب آنے نہیں دیتا تو آپ کی ذاتِ مبارک جس کو اُوپر نور کہا تھا کیسی کچھ ہوگی غرض اگر تم بھی اپنے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی تعظیم و توقیر بجالاؤگے اور ان کا ادب واحترام ہر امر میں نگاہ رکھوگے تو ایسے ہی موردِ افضال واکرام الٰہی ہوگے اور اللہ تعالےٰ اپنے حبیب پاک کی تعظیم و توقیر کے باعث تمہارے گناہ بخش دیگا اور ہمیشہ تمہارے دشمنوں پر تمہیں مظفر ومنصور فرمائے گا۔ ورنہ وعید شدید اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ کے مستحق اور غضب وعذاب الٰہی کے سزاوار ہوگے کہ تعظیم و توقیر حبیبِ ربِ قدیر اور احتشام واحترام محبوب ربّ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام تم پر ہر وقت اور ہر امر میں لازم وواجب ہے۔

☆

تقبیل الابہامین کے اثبات کے دلائل

مسلمانو! اگر ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام پڑھ کر یا سن کر بوسہ دیا کریں تو برکات دارین کے مستحق ہو سکتے ہیں چنانچہ کتاب مضمرات میں مرقوم ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جب جنت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملاقات کے مشتاق ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال کو ان کے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں میں جلوہ گر فرمایا انہوں نے اس پر بوسہ دیکر اپنی آنکھوں پر ملا پس یہ سنت ان کی اولاد میں جاری ہوئی۔ پھر جبرائیل علیہ السلام نے یہ قصہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا:

مَنْ سَمِعَ اِسْمِیْ فِی الْاَذَانِ فَقَبَّلَ ظُفْرَیْ اِبْهَامَیْهِ وَمَسَحَ عَلٰی عَیْنَیْهِ لَمْ یَعْمَ اَبَدًا ۔ یعنی جو شخص اذان میں میرا نام سنے اور انگوٹھوں پر بوسہ دیکر اپنی آنکھوں پر ملے۔ تو وہ کبھی اندھا نہ ہوگا۔

دیلمی نے مسند فردوس میں روایت کی ہے کہ جب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مؤذن سے کلمہ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ سنتے تو کہتے اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ رَضِیْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَبِیًّا اور بوسہ دیتے کلمہ کی انگلیوں کے باطن پر اور ان کو اپنی آنکھوں پر ملتے اور انہوں نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ مَنْ فَعَلَ مِثْلَ مَا فَعَلَ خَلِیْلِیْ جو کوئی ایسا کرے جیسا کہ میرے خلیل نے کیا۔ فَقَدْ حَلَّتْ عَلَیْهِ شَفَاعَتِیْ تو اس کے لئے میری شفاعت ثابت ہوگی۔

علامہ شامی نے اپنے فتاویٰ کی جلد اول میں باب الاذان میں کنز العباد سے نقل کیا ہے کہ جو شخص پہلی شہادت سن کر صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اور دوسری شہادت سن کر قُرَّتُ عَیْنِیْ بِكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کہے اور دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگائے اور یہ پڑھے۔ اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِیْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ تو خود رسول اللہ صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو جنت کی طرف رہنمائی کریں گے۔

حضرت مبارک
اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ
زندہ آباد

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لینے سے مردے کا زندہ ہو جانا

صحابۂ کرام کے زمانہ میں ایک عورت صحابیہ نے خلوص اور صدق دل سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام نامی اور اسم گرامی کو ایک مردے پر لیا جس سے وہ مردہ زندہ ہو گیا چنانچہ مدارج النبوۃ میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ ایک صحابیہ کا ایک نوجوان لڑکا تھا جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گروہ مہاجرین میں سے تھا۔ وہ بیمار ہوا اور اس پر حالت نزع طاری ہوئی۔ ہم لوگ اس وقت اس کے پاس تھے کہ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے اس کی روح نے جسم عنصری سے پرواز کیا ہم نے سنت کے موافق اس کے پاؤں کے انگوٹھے اور منہ کو باندھ کر اس کو چادر اوڑھا دی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کی والدہ جو کہیں باہر گئی ہوئی تھی آکر ہم سے پوچھنے لگی کہ میرے لڑکے کا کیا حال ہے؟ ہم لوگوں نے تعزیت کے کلمات ادا کئے۔ چنانچہ شریعت میں تعزیت کے جو کلمات آئے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل ماتم کو صبر پر دلالت کرے اور میت کے حق میں دعائے مغفرت کرے۔ الغرض جب ان صحابیہ کو یقین ہوا کہ میرا لڑکا واقعی مر گیا تب وہ اس کے سرہانے آکر کھڑی ہوئی اور بدرگاہ رب العالمین یوں عرض کرنے لگی۔ یا اللہ العالمین! تو جانتا ہے کہ میں تیرے حبیب پاک پر ایمان لائی اور اس کی محبت سے میں نے اپنے وطن کو چھوڑ کر ہجرت کی۔ اور یہی میرا ایک لڑکا تھا جو اس ضعیفی میں میرا کام کرتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اس کو زندہ کر دے۔ انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس وقت اس بی بی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام مبارک لیا۔ ہم نے بچشم خود دیکھا کہ وہ لڑکا زندہ ہو گیا۔

ایک شخص کا امام احمد حنبل کی تعظیم و ادب کے باعث بخشا جانا

مروی ہے کہ ایک دفعہ امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ کسی شہر میں دریا کے کنارے وضو

کرتے تھے اور ایک اور گنہگار شخص آپ کے اوپر کی جانب فاصلہ پر وضو کر رہا تھا وہ شخص
امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ کر تعظیم کے لحاظ سے اوپر سے نیچے چلا آیا اور آپ سے
نیچے کی طرف بیٹھ کر وضو کیا۔ کہتے ہیں کہ جب وہ شخص انتقال کر گیا تو وہ بہشت میں داخل ہوا
اُس کو جاننے والے ایک ولی اللہ نے اُسکو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ تو کس طرح بہشت میں
داخل ہوا تو تو سخت گنہگار تھا؟ اُس نے کہا کہ اللہ تعالےٰ نے محض اُس تعظیم کے سبب
سے مجھے بخش دیا جو میں نے امام صاحب کے وضو کرنے کی حالت میں کی تھی کہ میں نے
ادب کے سبب اوپر کی جانب سے نیچے کی طرف آکر وضو کیا تاکہ میرا مستعمل پانی آپ تک
نہ پہنچے۔

بزرگوں کی طرف دیکھنے والی آنکھوں کا اثر

حکایات الصالحین میں مرقوم ہے کہ ایک دفعہ بصرہ میں بارش کی کمی کے باعث
قحط پڑ گیا۔ سب شہر والے تین روز تک برابر نمازِ استسقاء کے لئے شہر کے باہر جاتے رہے
کئے اور نہایت عجز سے گریہ وزاری کی مگر خدا کی شان آسمان سے ایک بوند تک نہ گری
اسی اثناء میں ایک برگزیدہ شخص نے صف سے اُٹھکر گڑگڑا کہ نہایت الحاح وزاری
کے ساتھ یوں دُعا کی۔ یا الٰہ العالمین! بطفیل سر کی دو چیزوں کے بارانِ رحمت برسا
اور اپنے گنہگار بندوں کو اس آفتِ قحط سے بچا۔ ابھی وہ یہ کلمات کہنے نہ پایا تھا کہ
آناً فاناً بادل نمودار ہو گئے اور موسلا دھار بارش ہونی شروع ہو گئی۔ حاضرین نے جب
یہ ماجرا دیکھا تو ایک شخص متعجب ہو کر اس مردِ خدا سے دریافت کرنے لگا کہ بھائی وہ
دو چیزیں سر میں کونسی ہیں جن کی طفیل سے آپ نے بارش کے لئے دُعا کی اور وہ اسی
وقت قبول ہو گئی۔ اُس اللہ کے بندے نے فرمایا کہ بھائی جان! سر کی وہ دو چیزیں میری
یہ دو آنکھیں ہیں کہ ان سے میں نے حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ہے یہ
کوئی تعجب اور حیرانی کی بات نہیں ہے بلکہ یہ ایک معمولی بات ہے۔ اولیاء اللہ کی یہ ایک
ادنےٰ کرامت ہے ؎ اولیاراہست قدرت ازالہ تیرجستہ بازگرد انند زراہ

باب ششم

متفرق آداب

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا توریت شریف کا ادب کرنا

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام موجودہ توریت شریف کا بھی ادب کیا کرتے تھے چنانچہ سنن ابوداؤد میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ چند شخص قوم یہود سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ قف تک جو ایک مقام مدینہ کے قریب ہے تشریف لے چلیں۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بیت مدارس میں تشریف لے گئے اور مسند پر جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے بچھائی گئی تھی تشریف فرما ہوئے پھر انہوں نے عرض کی کہ ہم میں سے ایک شخص نے کسی عورت کے ساتھ زنا کیا ہے اس بارے میں آپ حکم فرمائیں کہ کیا سزا دی جائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن سے توریت منگوائی جب وہ لائی گئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسند سے علیحدہ ہو کر اُس پر توریت رکھ دی۔ پھر فرمایا کہ میں تجھ پر اور جس نے تجھ کو نازل کیا اُس پر ایمان لایا پھر فرمایا کہ کسی ایسے شخص کو بلاؤ جو تم میں بڑا عالم ہو۔ چنانچہ ایک جوان آیا اور اُس نے توریت سے رجم کا حکم ثابت کر دیا جس کا یہود کو انکار تھا۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ باوجود اُس زمانہ میں توریت تحریف و تصحیف سے خالی نہ تھی مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُس کا بھی ادب کیا ؎

از خدا خواہیم توفیقِ ادب ! بے ادب محروم ماند از فضلِ رب

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انبیاء کی تصویر کو مٹانے میں ادب کا لحاظ رکھنا

مصنف ابن ابی شیبہ میں جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم مکہ معظمہ میں رسول اللہ

صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ داخل ہوئے۔ اُس وقت عین کعبہ شریف اور اُس کے اطراف میں تین سو ساٹھ بُت تھے جن کی پرستش ہُوا کرتی تھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتوں کی طرف توجہ کی تو جتنے بُت تھے، سب سرنگوں ہو گئے۔ پھر فرمایا۔

جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا — یعنے دین حق آیا اور دین باطل نیست و نابود ہُوا۔ بیشک باطل تو نیست و نابود ہونے والا ہی تھا۔

(سورہ بنی اسرائیل رکوع ۹)

اس کے بعد خانہ کعبہ میں تشریف لے گئے اور دو رکعت نماز پڑھکر دیکھا کہ حضرت ابراہیم، اسمٰعیل اور اسحٰق علیہم السلام کی تصویریں بنی ہوئی ہیں مگر ابراہیم علیہ السلام کی تصویر کے ہاتھ میں تیر ہے جس سے کفّار فال دیکھا کرتے تھے اور فرمایا خدا ان کو قتل کرے ابراہیم علیہ السلام تو تیروں سے فال نہیں لیتے تھے۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زعفران منگوا کر تصویروں کو لگا دیا جس سے وہ مشتبہ ہو گئیں۔

ظاہر ہے کہ یہ تصویریں بھی بتوں ہی کی قطار میں تھیں جن کی توہین کا حکم ہو چکا تھا اور فی الواقع ان تصویروں کو اُن حضرات سے نسبت ہی کیا تھی۔ وہ تو چند احمقوں نے اپنی طبیعت سے جیسے چاہا بنا لیا تھا۔ مگر اتنی بات تو ضرور تھی۔ کہ اُن حضرات کا نام وہاں آ گیا تھا جس کے لحاظ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن کو مٹایا بھی تو معطّر زعفران سے ورنہ مٹانیوالی چیزوں کی وہاں کچھ کمی نہ تھی۔

سُبحان اللہ! کس قدر پاسِ ادب تھا کہ جہاں بزرگوں کا نام آ گیا پھر وہ چیز کسی درجہ کی باطل ہی کیوں نہ ہو مگر اس کے ساتھ بھی خاص ایک قسم کی رعایتِ ادب ہی کی گئی۔

جب خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جن کا رتبہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک ابراہیم علیہ السلام اور تمام انبیاء سے بڑھا ہُوا ہے۔ ایسی بے اصل چیز کے ساتھ بلحاظ نام رعایتِ ادب کریں تو ہم آخری زمانہ کے مسلمانوں کو کس درجہ کا ادب اُن آثار کے ساتھ کرنا چاہیے جن کا بطور واقعی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کی طرف منسوب ہونا لاکھوں مسلمانوں کے عقیدوں سے ثابت ہے اگر ہم نے فرض کیا کہ واقع میں وہ چیزیں منسوب بھی نہیں مگر آخر نام تو آ گیا۔ اس کا لحاظ بھی ضرور ہے، جیسا کہ اس حدیث سے ثابت ہُوا لیکن تعجب ہے اُن

بیوقوفوں کی سمجھ پر کہ جو ان عقیدہ والوں کو اُلٹا مشرک بناتے ہیں جس سے وہ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق خود کافر ہو جاتے ہیں۔

آدابِ قبلہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بیت اللہ شریف کا بڑا ادب کیا کرتے تھے چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے۔

اِذَا اَتَیْتُمُ الْغَائِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوْهَا بِبَوْلٍ وَّلَا غَائِطٍ۔

یعنی پیشاب یا پاخانہ کے وقت قبلہ کی طرف پیٹھ اور مُنہ نہ کیا کرو۔

آپ کے ارشاد سے صرف قبلہ کا ادب پیشِ نظر تھا۔

طبری، ابو حاتم اور عبد الرزاق وغیرہ نے سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے۔

اِذَا اَتٰی اَحَدُکُمُ الْغَائِطَ فَلْیُکْرِمْ قِبْلَةَ اللّٰهِ فَلَا یَسْتَقْبِلَنَّ الْقِبْلَةَ

یعنی جب کوئی شخص قضائے حاجت کو جائے تو اللہ تعالیٰ کے قبلہ کی تکریم اور بزرگی کرے اور اسکی طرف منہ نہ کرے۔

عَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلاً قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَلَسَ یَبُوْلُ قُبَالَةَ الْقِبْلَةِ فَذَکَرَ فَتَحَرَّفَ عَنْهَا اِجْلَالًا لَهَا لَمْ یَقُمْ مِنْ مَجْلِسِهٖ حَتّٰی یُغْفَرَ لَهٗ

یعنی حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو شخص سہواً پیشاب کے وقت قبلہ کی طرف مُنہ کرے پھر یاد آتے ہی پھر جائے، بخیال تعظیم قبلہ کے قبل اُٹھنے کے بخشے جاتے ہیں اس کے گناہ۔

(رواہ الطبرانی و کنز العمال)

اگر عقلِ نارسا سے کام لیا جائے تو یہ بات کبھی سمجھ میں نہ آئے گی کہ ان حالتوں میں قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنا منع کیوں ہوا خصوصاً اس مقام میں جہاں سے کعبہ شریف سینکڑوں ہزاروں کوس دُور ہو۔ اگر اس موقع میں کوئی شخص کہے کہ کعبہ شریف از قسم جمادات ہے اور اس کی طرف صرف نماز میں متوجہ ہونا امتثالِ امر کے لئے کافی تھا۔ ہمیشہ اس کی تعظیم دل میں جمائے رکھنا اور

سوائے حالتِ نماز کے بھی اُس کا ادب کرنا کیا ضرور؟

اِس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کے امور میں عامیوں کی سمجھ کو کچھ دخل نہیں۔ جو لوگ آداب داں ہیں اُن کی خود طبیعت گواہی دیتی ہے کہ ذواتِ فاضلہ اور اماکنِ شریفہ کے ساتھ ہر حالت اور ہر وقت میں خواہ قریب ہوں یا بعید مؤدب رہنا ضرور ہے اور جس کی طبیعت میں یہ بات نہ ہو اگر طالب صادق ہے تو اس کو اتنا ضرور ہے کہ اس قسم کی تعلیمات میں غور اور فکر کیا کرے تاکہ معلوم ہو کہ دین میں ادب کی کس قدر ضرورت ہے۔ کسی کامل بزرگ نے کیا ہی اچھا کہا ہے ؎

أَدِّبُوا النَّفْسَ أَيُّهَا الْأَحْبَابُ — طُرُقُ الْعِشْقِ كُلُّهَا آدَابُ

مایۂ دولتِ ابد ادب است — پایۂ رفعتِ خرد ادب است

چیست آں داد بندگی دادن!! — بر حدودِ خدائے استادن!

قول و فعل از شنیدن و دیدن! — بموازینِ شرع سنجیدن!!

با حق و خلق و شیخ و یار و رفیق — رہ سپردن بمقتضائے طریق!!

حرکاتِ جوارح و اعضاٗ — راست کردن بحکمِ دینِ ہدا!

خطرات و خاطر و اوہام! — پاک کردن زشوبِ نفس تمام!

دین و اسلام در ادب طلبی است — کفر و طغیان ز شومِ بے ادبی است

جب بیت اللہ شریف کو بسبب شرافتِ اضافت یہ رتبہ حاصل ہو کہ ہر نزدیک و دور والے پر اس قسم کا ادب ضرور ٹھیرایا گیا تو جس کو ذرا بھی بصیرت ہو وہ سمجھ سکتا ہے کہ خاص حبیبِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق آداب کی کس قدر ضرورت ہو گی۔

آدابِ مرشد از مجدد الف ثانی قدس سرہ

بعضے از آدابِ پیر و شرائطِ ضروریہ در معرضِ بیان آوردہ مے شود بگوشِ ہوش باید شنید بدانکہ طالب را باید کہ روئے دل خود را از جمیع جہات

چند آداب پیر اور ضروری شرائط بیان کئے جاتے ہیں گوشِ ہوش سے سُننے چاہئیں واضح ہو کہ طالب کو چاہیئے کہ اپنے دل کو سب طرفوں سے

گرد انیدہ متوجہ پیر خود سازد با وجود
پیر بے اذن او بنوافل واذکار نپرداز د
در حضور او بغیر او التفات نماید
و بکلیت خود متوجہ او بنشیند حتیٰ کہ
بذکر ہم مشغول نشود !!
(مکتوبات امام ربانی جلد اول
مکتوب نمبر ۲۹۲)

ہٹا کر اپنے پیر کیطرف متوجہ کرے پیر
کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر
نوافل اور اذکار میں مشغول نہ ہو اور
اُس کے روبرو کسی اور طرف التفات
نہ کرے اور اپنی پوری توجہ سے اُسکے سامنے
بیٹھے حتیٰ کہ کسی اور ذکر میں بھی مشغول نہ ہو

حضرت حسام الدین چلپی رحمۃ اللہ علیہ کا ادب مُرشد!

حضرت حسام الدین چلپی رحمۃ اللہ علیہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے مریدانِ خاص سے تھے۔ انہی کی تحریک سے مثنوی شریف کی بنیاد پڑی اور پھر انہی کی سعی و امداد سے یہ کار عظیم اختتام کو پہنچا۔ مولانا باوجود پیر و مُرشد ہونے کے ان کا ادب اس طرح بجا لاتے تھے کہ ایک اجنبی یہ سمجھتا تھا کہ مولانا خود ان کے مُرید ہیں۔ چنانچہ آپ دیباچہ مثنوی میں حضرت حسام الدین چلپی کو ان لفظوں سے یاد فرماتے ہیں۔

لِاسْتِدْعَاءِ سَیِّدِیْ وَسَنَدِیْ وَمُعْتَمَدِیْ وَمَكَانِ الرُّوْحِ مِنْ جَسَدِیْ وَذَخِیْرَۃِ یَوْمِیْ وَغَدِیْ وَهُوَ الشَّیْخُ قُدْوَۃُ الْعَارِفِیْنَ اِمَامُ الْهُدیٰ وَالْیَقِیْنِ الخ۔

یہ توصیفات کئی سطروں تک پھیلی گئی ہیں لیکن حضرت حسام الدین چلپی اپنے شیخ کی نظر میں اس علو مرتبت کے باوجود ان کا اسقدر ادب ملحوظ رکھتے تھے کہ پورے دس برس کی مدت میں ایک دن بھی مولانا کے وضو خانہ میں وضو نہیں کیا۔ شدت کے جاڑے پڑتے ہوتے اور برف گرتی ہوتی لیکن گھر جا کر وضو کر آتے۔

سچ ہے ان لوگوں نے جو کمالات حاصل کئے سب ادب ہی کی بدولت حاصل کئے ؎

با ادب باش دریں باغ کہ ہر کس اینجا
مے نہد بر سر ہم دست ثمر مے چیند

باب ہفتم

طریقِ ادب

(از مرزا محمد نذیر عرشی حنفی نقشبندی مجددی مولوی فاضل مؤلف مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم)

رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کا ادب ملحوظ رکھنا شرطِ ایمان ہے۔ اس ادب کا طریقہ کیا ہے ؟ اور کن باتوں میں ادب ملحوظ رکھنا لازم ہے ؟ اس کے نظائر بکثرت صحابہ کرام علیہم الرضوان کے آثار و سیر میں اوپر مذکور ہو چکے۔ پھر یہ بھی خیال ہے، کہ جس طرح رُوحِ محمدی تمام کائنات میں اپنا خاص اثر رکھتی ہے۔ اسی طرح ادب رسول بھی تمام آداب پر حاوی ہے جو شخص جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ادب ملحوظ رکھتا ہے وہ اپنے والد اپنے اُستاد اپنے مُرشد کا بھی ادب کریگا جس شخص کو حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کا ادب کرنا نصیب نہیں۔ وہ اپنے ان تمام بزرگوں کے ساتھ بھی بے ادبی سے پیش آتا ہے۔ چنانچہ یہ مشاہدہ ہے کہ بعض خاص اسلامی فرقے جن کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ کمال ادب ملحوظ رکھنے کی توفیق نہیں وہ ائمہ اربعہ کے ساتھ بے ادبی کرنے میں بھی بدنام ہیں۔ اُنہیں قرآن مجید کو بھی فرش پر اپنے پاؤں کے برابر رکھنے کی جرأت ہے وہ اپنے اساتذہ کرام کو بھی برابر کے دوستوں کی طرح سمجھنے کے عادی ہیں اور کسی کو اپنا پیر و مُرشد بنانا تو اُن کا شیوہ ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت بخشے۔ بے ادبی سے نہ صرف دین ہی ناقص رہتا ہے بلکہ انسانیت بھی ناقص ہے۔ سہ

آدمی زاد اگر بے ادب است آدم نیست فرق در جنسِ بنی آدم و حیوان ادب است

چنانچہ اوپر جن چند نظائر میں بعض بزرگوں کے بارے میں اپنے مرشد کا کمالِ ادب بجا لانا مذکور ہوا ہے تو اس کی وجہ یہی ہے کہ ان لوگوں کو خدا نے پہلے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کا ادب

ملحوظ رکھنے کی توفیق بخشی ہے اور اس ادب کی بدولت ان میں اپنے اساتذہ و مشائخ کا ادب ملحوظ رکھنے کی صلاحیت بھی پیدا ہوگئی۔ سچ ہے باادب بانصیب بے ادب بے نصیب۔

جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَادِیْبِیْ۔ یعنی میرے پروردگار نے مجھے ادب دیا پس مجھے خوب ہی ادب سکھایا۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ۔ یعنی اے حبیب پاک! تم لوگوں سے کہہ دو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو تو اللہ بھی تم کو دوست رکھیگا"

حدیث بالا سے ثابت ہوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کمالِ ادب کا اعلےٰ نمونہ ہیں اور آیت مذکورہ سے ہمارے لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ آپ کے اتباع میں ہم کو بھی کمالِ ادب کی کوشش کرنی چاہیئے اور سب سے پہلے ہمارا فرض یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے ادب کے تمام پہلو مرعی رکھنے کی دل و جان سے کوشش کریں۔ پھر ہم اپنے والدین کے لئے باادب فرزند اور اپنے اُستادوں کے لئے باادب شاگرد اور اپنے مشائخ کے لئے باادب مرید بھی ہوں گے۔

جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے پورا ادب ملحوظ رکھنے کے تو بے شمار پہلو ہیں جو صحابہ کرام کے مذکورہ بالا آثار پر غور کرنے سے بڑی حد تک سمجھ میں آسکتے ہیں مگر عام طور پر امور ذیل میں ادب کرنا ہر شخص کے لئے واجب العمل ہے۔

(۱) آپ کی محبت اپنے ماں باپ اپنی اولاد بلکہ خود اپنی جان کی محبت سے بھی زیادہ ہو اور اس کے بغیر ایمان کامل نہیں ہوتا چنانچہ حدیث میں ہے۔

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔ یعنی کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ میں اُس کے نزدیک اپنے باپ اور اپنے فرزند اور سارے لوگوں سے زیادہ پیارا نہ ہوں۔

جامع صغیر میں علامہ سیوطی نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے :-

اَدِّبُوا اَوْلَادَكُمْ عَلٰى ثَلٰثِ خِصَالٍ حُبِّ نَبِيِّكُمْ وَحُبِّ اَهْلِ بَيْتِهٖ وَقِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ الخ

یعنی اپنی اولاد کو تین باتوں کا ادب دو، ایک اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دوسرے ان کے اہل بیت کی محبت کا تیسرے قرآن پڑھنے کا۔"

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ آپ کی محبت خاص مقتضائے ادب ہے۔

(۲) جو لوگ آپ کی بے ادبی کرنے کی جرأت کرتے ہیں اُن کو اس سے روکنا چاہیئے جیسے کہ بعض لوگ آپ کو بَشَرٌ مِّثْلُنَا سمجھتے ہیں اور بلند آہنگی سے اسی پر بحث کرتے ہیں اور بعض لوگ ایسے بے باک بھی دیکھے گئے ہیں جو معاذ اللہ! اپنے ہاتھ کی لاٹھی کو کہتے ہیں کہ اس وقت یہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اچھی ہے کیونکہ جب یہ کسی کے ماری جائے تو اُسے ضرور پہنچا سکتی ہے۔ لیکن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس وقت کسی کو نفع و ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ ایسے لوگ اگر اس قسم کے بے ادبانہ عقائد و اقوال سے باز نہ آئیں تو اُن کے ساتھ مکالمت اور مجالست اور مناکحت کے تعلقات منقطع کر دینے چاہییں۔ کیونکہ مقام رسالت کے ساتھ بے ادبی کرنے والوں کے ساتھ راہ و رسم رکھنا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا باعث ہے ؎

نظر دوست نادر کند سوئے تو ۔ چو در روئے دشمن بود روئے تو ۔

(۳) جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک زبان سے لیں یا کسی کی زبان سے سنیں تو فوراً درود پڑھنا چاہیئے یعنی کہنا چاہیئے :-

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یا عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ یا صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَامُهٗ وغیرہ۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے :-

رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ ۔ (رواہ الترمذی)

یعنی ترمذی میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خاک آلود ہو ناک اُس آدمی کی جس کے

پاس ہیں ذکر کیا جاؤں اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔

(۴) جب آپ کا نام لکھنے لگیں تو ساتھ صلے اللہ علیہ وسلّم یا علیہ الصلوٰۃ والسلام یا صرف علیہ السلام لکھنا ضروری ہے۔ آپ کے نام پر درود شریف کے اشارہ کے لئے ؐ یا صلعم لکھنا میرے خیال میں نہ لکھنے سے بدتر ہے کیونکہ اگر حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کا نام پاک لکھا جائے اور اس پر درود تحریر نہ ہو تو وہ سہو پر محمول ہو سکتا ہے لیکن ؐ یا صلعم کے نشان اس امر کی صراحت کر رہے ہیں کہ جس مومن کے قلم میں ایک لبی تحریر سے کاغذ سیاہ کرنے کی طاقت تھی اس کا حبّ رسول (صلّے اللہ علیہ وسلّم) کا جذبہ اسقدر سرد پڑ چکا ہے کہ وہ پُورے درود کے دو حرف لکھنے میں بھی اپنے وقت کے ایک سیکنڈ کا حرج اور سیاہی کے ایک قطرہ کا نقصان گوارا نہیں کر سکتا ع فَاهَا ثُمَّ اٰهَا ثُمَّ اٰهَا۔

نشان ؐ کے متعلق ایک اور عام غلطی مروّج ہے وہ یہ کہ جن لوگوں کے نام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام پر مثلاً محمدؐ الدین، محمدؐ علی، محمد خاں، محمد بیگ وغیرہ ہوتے ہیں۔ لوگ ان پر بھی ؐ کا نشان بنا دیتے ہیں۔ حالانکہ اس خصوصیت میں یہ رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم کا نام نہیں ہے بلکہ وُہ خاص اسی شخص کا نام ہے جس کے لئے اُس کے ماں باپ نے رکھا ہے چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم نے تَسَمَّوْا بِاِسْمِیْ یعنے میرے نام پر نام رکھو جس سے ظاہر ہے کہ دونوں نام الگ الگ حیثیت رکھتے ہیں۔ یعنی ان میں عینیت نہیں ہے بلکہ صرف مطابقت ہے تو پھر اس پر درود کا اشارہ لکھنے کے کیا معنے ہوں گے؟ کیا اس سے محمد الدین ولد کریم بخش مثلاً یا محمد علی ولد یعقوب علی مثلاً یا محمد خاں ولد سکندر خاں مثلاً یا محمد بیگ ولد رستم بیگ پر درود بھیجنا مقصود ہے؟ لاحول ولا قوۃ الّا باللہ۔ یہ لغو کام ہرگز نہ ہونا چاہیئے۔ اس قسم کی غلطیوں سے ملتی جلتی ایک اور غلطی ہے جس میں نہ صرف عوام بلکہ اچھے اچھے خواندہ و فہمیدہ لوگ بھی مبتلا ہیں۔ وُہ غلطی عفی عنہ لکھنے کی ہے۔ جس کے معنے ہیں معاف کیا جائے اس سے اس لفظ کو اکثر اصحاب اپنے نام کے ساتھ بطور دُعا لکھتے ہیں۔ گناہوں سے معافی بخشنے والا خُدا ہے اور اسی دعا میں اسی سے معافی کی التجا کی جاتی ہے۔ پس مناسب یہ ہے کہ لکھا جائے۔ عَفَا اللّٰہُ عَنْہُ یعنی اللہ اُسکو معاف کرے مگر اس ذات اعرف المعروفین کو صیغہ مجہول میں ساقط الذکر کر دینے کا جو رواج ہے۔ یہ بے ادبی سے خالی نہیں۔

(۵) جس خط یا کسی دوسرے کاغذ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام درج ہو یا محمد الدین، محمد غالی وغیرہ کوئی ایسا نام لکھا ہو جو حضور کے نام سے ماخوذ ہو تو اس کا ادب کرنا بھی لازم ہے۔ اوّل تو اُردو فارسی اور عربی حروف کا مطلقاً ادب ضروری ہے۔ خواہ اس میں کچھ ہی لکھا ہو کیونکہ حروف تہجی تمام اسمائے متبرکہ کا مادہ تحریر ہیں۔ اور ان میں بہت سی برکات اور اسرار و عجائبات مرکوز ہیں چنانچہ قرآن مجید میں ان کا بطور مقطعات آنا اور بہت سے تعویذات و نقوش کا اُن سے پُر کیا جانا اس پر شاہد ہے۔ مگر جس عبارت یا تحریر میں خداوند تعالیٰ کے اور جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اسماء میں سے کوئی اسم درج ہو اس کاغذ کو زمین پر گرنے پڑنے سے محفوظ رکھنا چاہیئے اگر زیادہ اہتمام مشکل نظر آئے تو کم از کم اتنا ضرور چاہیئے کہ ایسے متبرک و قابل عزت اسماء کو کاغذ میں سے کتر کر محفوظ کر دیں۔ ہمارے شناساؤں میں ایک امیر کبیر آدمی ہیں جو صوفی مزاج اور دیندار بھی ہیں۔ اُن کا قاعدہ ہے کہ جب کوئی خط اُن کے نام آتا ہے تو اس کو پڑھ کر تمام متبرک اسماء اس میں سے کُتر کر منہ میں ڈال کر کھا جاتے ہیں۔ باقی خط کو ردّی کی ٹوکری میں ڈال دیتے ہیں اس قسم کے اعمال گو بظاہر خفیف معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ان کی تہ میں جو کمال عقیدت اپنا کام کر رہی ہے۔ وہ بڑے سے بڑے اعمال صالحہ پر ترجیح رکھتی ہے اور تعجب نہیں کہ وہی آخرت میں باعثِ نجات ہو جائے۔

سہ
نہ نماز آتی ہے مجھ کو نہ وضو آتا ہے!
سر جُھکا دیتا ہوں جب سامنے تو آتا ہے

(۶) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ادب کے ساتھ اُن بزرگانِ دین کا ادب بھی لازم ہے جو شریعت محمدیہ علے صاحبہا السلام والتحیۃ کے ارکانِ عظمے اور اس آسمانِ ہدایت کے نجوم اہتدا ہیں۔ پس ہر صحابی کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ اور عام اولیاء و صلحاء کے ناموں کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ یا علیہ الرحمۃ والغفران یا قدس اللہ سرہ وغیرہ کہنا چاہیئے۔ ان کے ساتھ ملتے جلتے اور دعائیہ کلمات بھی ہیں، مثلاً طاب ثراہ، نور اللہ مرقدہٗ، برد اللہ مضجعہ وغیرہ وہ بھی حسب مراتب استعمال ہو سکتے ہیں۔ عامہ مومنین جو فات پا چکے ہیں۔ اُن کے نام کے ساتھ مرحوم و مغفور بولنا یا لکھنا مناسب ہے۔ غرض شرط ادب یہ ہے کہ صحابہ

ــــ لیکن عام مومنین تک سب کو حسبِ قدر مراتب نیکی سے یاد کرنا چاہیئے ــــ

بزرگش نخوانند اہلِ خرد　　　　　کہ نامِ بزرگاں بزشتی برد

(۷) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ادب کے ساتھ یہ بھی لازم ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اُن پر جو کتاب نازل فرمائی ہے۔ اس کا بھی ادب کیا جائے۔ چنانچہ اس کے ادب کی باتیں یہ ہیں۔

(۱) قرآن مجید کی روزانہ تلاوت باوضو کی جائے۔ تلاوت میں ناغہ کرنا یا بلاوضو تلاوت کرنا بے ادبی ہے۔

(۲) تلاوت کے اثنا میں کوئی دنیوی بات نہ کی جائے۔

(۳) اگر کوئی خاص بات کرنی ہی پڑ جائے تو قرآن مجید کو بند کر کے بات کریں۔ یا اس وقت اُس پر کوئی پاک رومال ڈال دیں۔ پھر دوسری طرف متوجہ ہوں۔

(۴) قرآن مجید کو خالی قرآن نہ کہیں بلکہ اس کے ساتھ مجید یا حمید یا شریف وغیرہ کوئی مؤدبانہ لفظ ضرور لگائیں۔

(۵) قرآن مجید کو فرش پر اپنے قدموں سے اونچا رکھیں۔ یعنی یا تو ہاتھوں میں ہو یا رحل پر یا چوکی پر یا گود میں۔ بعض بے ادب لوگ جو اسی فرش پر رکھ دیتے ہیں جس پر خود بیٹھتے ہیں۔ وہ گناہ کا کام کرتے ہیں۔ خصوصاً بعض بازاری کتب فروش اس قسم کے گناہ کی طرف سے بہت لاپرواہی برتتے ہیں۔

(۶) امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قرآن مجید کو بلاوضو چھونا بھی جائز نہیں بفحوائے آیت لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ　یعنی اس کو پاک لوگ ہی چھوتے ہیں۔ احناف کا اسی پر عمل ہے مگر بعض دیگر ائمہ کے نزدیک قرآن مجید کو بلاوضو چھونا جائز ہے اُن کے نزدیک مُطَہَّرُون سے فرشتے مراد ہیں انسان اس پر مکلف نہیں۔

(۷) قرآن مجید باآواز بلند پڑھا جا رہا ہو تو اگر وہاں حاضر رہنے کا موقع ہو تو اس کو سننا فرض ہے کوئی اور بات کرنا درست نہیں۔

(۸) قرآن مجید کھلا ہو تو اس کی طرف پُشت کر کے جانا بے ادبی میں داخل ہے لہٰذا اُس

کی طرف مُنہ کر کے رجعت قہقری جانا چاہیئے۔

(۹) جب تلاوت کے لئے قرآن مجید کو کھولیں تو اُس پر سے غلاف کے اُٹھتے ہی اُسکو بوسہ دینا اکثر بزرگوں سے ماثور ہے۔

(۱۰) کتابوں میں قرآن مجید کو سب سے بلند رکھا جائے۔ اگر کئی کتابیں نیچے اوپر رکھی ہوں تو ان میں ترتیب یُوں ہونی چاہیئے۔ سب سے اوپر قرآن مجید اُس سے نیچے تفسیر اس سے نیچے حدیث اس سے نیچے عقائد فقہ اور تصوف کی کتابیں پھر صرف ونحو اور معانی کی کتابیں سب سے نیچے ادب منطق اور حکمت کی کتابیں۔

(۱۱) قرآن مجید کی طرح حدیث شریف کی کتاب کو بھی اپنے قدموں سے بلند رکھیں۔ اس کو پاک وصاف ہو کر پڑھیں مگر باوضو ہونا شرط نہیں ہاں اگر اس کی پابندی ہو سکے۔ تو بہت اچھا ہے باقی آداب وُہی ملحوظ رہیں جو قرآن مجید کے لئے لکھے گئے ہیں۔

(۱۲) حدیث کے بعد عقائد اور فقہ کی کتابوں کے لئے بھی وُہی آداب ملحوظ رکھنے چاہئیں جو قرآن مجید اور حدیث شریف کے لئے سپرد قلم ہوئے ہیں۔

قرآن مجید کی بے ادبی کرنے والے کا انجام

مولانائے روم رحمۃ اللہ علیہ مثنوی معنوی کے دفتر دوم میں ایک منطقی اور فلسفی کی حکایت ارقام فرماتے ہیں کہ ایک جگہ قرآن مجید کا درس ہو رہا تھا اور یہ آیت پڑھی جا رہی تھی۔

اِنْ اَصْبَحَ مَآءُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ۝ (سورۂ ملک)	یعنی اگر تمہارا پانی زمین کی پستی کی طرف چلا جائے تو کون ہے جو تمہارے لئے ایسا صاف وشفاف اور پاک وطاہر پانی لا سکتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر ہم چشمے خشک کر دیں اور پانی زمین کی تہ میں چھپا دیں تو کون ہے جو پانی لا سکے ایک فلسفی منطقی اس وقت درس گاہ کی طرف سے گذر رہا تھا اُس نے سُنا تو بآواز بلند پکار کر کہا۔ ؎

ما بزخم بیل و تیزیٔ تبر ۔۔۔ آب را آریم از پستی زبر

یعنی اگر پانی کا چشمہ خشک ہو جائے تو ہم پھاوڑے کے زور اور بیل اور تبر کی ضرب اور تیزی

سے زمین کھود کر نکال لیں گے۔ یہ بات ہی کیا ہے۔ ہماری منطق ہماری عقل اور ہماری سائنس ہماری رہبر ہے پھر ہمیں کیا رکاوٹ ہے لیکن جب شام کی تاریکی نے دن کی روشنی پر غلبہ پایا یعنی رات آئی ؎

شب بخفت و دید او یک شیر مرد   زد طمانچہ ہر دو چشمش کور کرد!

یعنی وہ فلسفی حسب معمول سویا تو اس نے خواب میں ایک شیر مرد کو دیکھا۔ اس نے ایک طمانچہ مار کر اس کی دونوں آنکھیں اندھی کر دیں ؎

گفت زیں دو چشمۂ چشم اے شقی!   با تبر نورے بر آر از صادقی!!

اس کو کہا اے بدبخت اگر تو اپنے قول میں سچا ہے۔ اگر تجھکو اپنے فلسفہ اور منطق پر ایسا ہی ناز ہے کہ تو خدا کی ذات کو بھلا بیٹھا اور اس کے کلام پاک کا منہ چڑاتا ہے۔ تو اپنی آنکھوں کے دونوں چشموں سے نور کو پیدا کر۔ ذرا تبر تو لا کہاں ہے وہ بیل اور پھاوڑے نکال اور ان سے چشموں کو کھود، کرید، رگڑ جو چاہے کر اور پانی کا ایک قطرہ تو نکال۔ پھر جب دن نکلا اور وہ فلسفی خواب سے بیدار ہوا تو اُسے معلوم ہوا کہ میری آنکھیں بے نور ہیں۔ میری چشم بصارت گم ہو گئی۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے دیکھتا ہے مگر کچھ نظر نہیں آتا۔ مایوس ہو کر زبانِ حال سے کہتا ہے

؎   وہ بھی کیا دن تھے کہ تھی چشم بصیرت تک کھلی   آج وہ دن ہے بصیرت کیا بصارت بھی نہیں

غرض یہ بے ادب منطقی اپنے علمی غرور کے باعث مولائے کریم سے معافی کا خواستگار نہ ہوا اور توبہ کی نعمت سے محروم رہا۔ مولانا فرماتے ہیں۔ ؎

گر بنالیدے و مستغفر شدے   نور رفتہ از کرم ظاہر شدے

لیک استغفار ہم در دست نیست   ذوق توبہ نقل ہر سرمست نیست

یعنی اگر وہ روتا اور توبہ کرتا تو اللہ تعالےٰ جو رحیم و کریم ہے اپنے فضل و کرم سے اس کا نور رفتہ پھر اُسے عطا کر دیتا لیکن وہ بدنصیب توبہ کس طرح کرتا اور اس کی لذت سے کس طرح آشنا ہوتا۔ یہ بھی تو اس کے اختیار کی بات نہ تھی۔

خَسِرَ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةَ ؕ

تعظیم شعائر اللہ

اللہ تعالے فرماتا ہے۔

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ۔

یعنی جو شخص شعائر اللہ کا ادب اور تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے

اس آیت سے اشارۃً ثابت ہے۔

دین اسلام کا تمام تر مدار شعائر اللہ کی تعظیم و ادب پر ہے۔ اگر شعائر اللہ کا ادب دل میں مرکوز ہے۔ تو خدا کا خوف بھی ہوگا۔ منہیات و معاصی سے نفرت بھی ہوگی۔ فرائض و واجبات کا شوق بھی ہوگا۔ اور آخرت کی تیاری کا اہتمام بھی ملحوظ خاطر رہے گا۔ اور یہی باتیں دین کا نچوڑ ہیں۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ کی جلد اول صفحہ ۵۵ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"اِعْلَمْ اَنَّ مَبْنَى الشَّرَائِعِ عَلٰى تَعْظِيْمِ شَعَائِرِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالتَّقَرُّبِ بِهَا اِلَيْهِ تَعَالٰى۔"

یعنی واضح رہے کہ شریعتوں کی بنیاد شعائر اللہ کی تعظیم اور ادب کرنے اور ان کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کا قرب چاہنے پر ہے انتہی

شعائر اللہ کئی ہیں جن میں سب سے بڑا درجہ چار شعائر کا ہے۔ جو یہ ہیں۔

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم (۲) قرآن مجید

(۳) کعبہ شریف (۴) نماز

چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہ نے اس کی تصریح کی ہے۔ اب خاتمہ کتاب میں ہم ہر مسلمان کو بتاکید توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ اگر وہ راسخ العقیدہ مسلمان اور صادق الیقین مومن ہوتا اور رہنا چاہتا ہے تو وہ ان چاروں شعائر اللہ کی تعظیم و ادب کو اپنا سب سے پہلا اور سب سے آخری مقصد سمجھے اور ان کے احترام و ادب پر اپنا آرام و راحت اپنا مال و دولت حتیٰ کہ اپنی حیات و زیست تک

قربانی کرنے سے دریغ نہ کرے ؎

حاصلِ عُمر نثار رہ یارے کردم ‏‏‏ ‏ شادم از زندگیٔ خویش کہ کارے کردم

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب و تعظیم تو اس رسالہ کا موضوع ہی ہے اور اس کے متعلق بہت کچھ بیان کیا جا چکا ہے۔ قرآن مجید کے ادب و تعظیم کے متعلق بھی چند ضروری باتیں آخری مضمون میں حیطۂ تحریر میں آچکی ہیں۔ کعبہ شریفہ کے ادب و تعظیم کا ذکر بھی ضمناً ایک دو جگہ گزر چکا ہے۔ اب یہاں چند باتیں نماز اور مساجد کے آداب و تعظیم کے متعلق سپرد قلم کی جاتی ہیں۔ نماز کے تمام مستحبات جو کتب فقہ میں مذکور و مسطور وہ سب در اصل آداب نماز ہیں۔ ان تمام کو پڑھ یا سُن کر عمل میں لانا چاہیئے۔ علاوہ ازیں سابقہ وضو کے باوجود پھر دوبارہ وضو کر لینا۔ سنتوں کے بعد فرضوں کی جماعت کی انتظار تک دُنیوی کلام سے پرہیز رکھنا اور اتنے عرصہ تک رو بقبلہ بیٹھ کر ذکر و فکر میں مشغول رہنا بھی داخل آداب نماز ہے۔

مسجد کے آداب میں سے بعض ضروری آداب یہ ہیں۔ (۱) مسجد میں دنیوی گفتگو نہ کریں (۲) بلند آواز سے کوئی بات نہ کریں جس میں مسجد کا عدم لحاظ پایا جائے (۳) غزلیات و قصائد نہ پڑھیں (۴) متکبرانہ انداز سے ٹہلتے نہ پھریں (۵) مغرور لوگوں کی طرح گھٹنے پہ پنڈلی رکھ کر نہ بیٹھیں اور نہ کوئی دوسری مغرورانہ وضع اختیار کریں (۶) لوگوں کے مجمع سے فائدہ اُٹھانے کے لئے اپنی کسی گم شدہ چیز کی منادی نہ کریں اگر کوئی ایسا کرے تو دوسرا مسلمان کہے خُدا کرے تیری گمشدہ تجھے نہ ملے (۷) مسجد میں خرید و فروخت نہ کریں۔ ہاں معتکف مال کی موجودگی کے بغیر اضطراراً اسودا کر سکتا ہے (۸) مسجد کے جھاڑو۔ بہارو دیا بتی وغیرہ کی خدمت میں خادم مسجد کا ہاتھ بٹاتے رہیں۔ اور ضروریات مسجد کا اہتمام رکھیں۔ یہ ایمان کی نشانی ہے جس کا حدیث میں ذکر ہے۔ (۹) وضوء کے بعد نماز تحیۃ المسجد پڑھا کریں (۱۰) کچا لہسن اور کچا پیاز کھا کر مسجد میں داخل نہ ہوں اور دوسری ہر قسم کی بدبودار چیز کے استعمال سے بھی پرہیز رکھیں جبکہ جلدی مسجد میں جانا ہو۔ (۱۱) لعاب اور آلائش بینی مسجد میں گرانے یا اسکی دیوار و مصلّے کے ساتھ پونچھ

سے قطعی پرہیز رکھیں (۲) مسجد میں اینٹ۔ پتھر۔ تنکا۔ کانٹا۔ بال۔ ناخن۔ بیٹ وغیرہ کوئی مکروہ شے دیکھیں تو فوراً اٹھا کر باہر پھینک دیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے اجر کی تعریف فرمائی ہے۔ (۳) جب مسجد میں داخل ہوں تو پہلے دایاں پاؤں داخل کریں اور کہیں۔

اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ ؕ یعنی الٰہی مجھ پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔

(۴) جب مسجد سے نکلنے لگیں تو پہلے بایاں پاؤں باہر نکالیں اور کہیں۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ یعنی الٰہی میں تجھ سے تیرا فضل چاہتا ہوں"

تمام تعلیماتِ ادب سے آخری اور جامع بات یہ ہے کہ ؎

طالبِ صحبتِ نیکاں شود توفیقِ ادب
از خدا خواہ کہ اَللّٰهُ وَلِیُّ التَّوْفِیْقِ

تمت

شانِ نبوّت میں گستاخی

مشہور مقولہ ہے کہ "چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں" چونکہ اس کتاب کا موضوع آدابِ رسُول ہے اور بے ادبی و گستاخی ادب و تعظیم کی ضد ہے۔ اس لیے گستاخی کی حقیقت اور اس کی سزا کی نوعیت معلوم کرنے سے دو فائدے حاصل ہوتے ہیں ایک یہ کہ ایسے سنگین جرم سے حفاظت اور دیگر اس سے ادب و تعظیم کا جذبہ اُبھرتا ہے آئندہ اوراق میں جو مضمون آپ کے پیشِ نظر ہے، موجودہ دور کے علماءِ دیوبند میں سے ایک مشہور و معروف عالم مولانا محمد علی کاندھلوی صاحب کا ہے احقر کے نزدیک اپنے موضوع پر اچھا مضمون ہے اور اس کا مطالعہ مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ اس لیے مولانا مذکور کے شکریہ کے ساتھ پیشِ خدمت ہے

احقر محمد اشرف مجددی

شانِ نبوت میں گستاخی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انظُرْنَا وَاسْمَعُوا ۗ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

اے اہلِ ایمان! تم رَاعِنَا نہ کہا کرو، بلکہ اُنظُرنا کہا کرو اور پھر وہ جو کچھ فرمائیں اسے جی لگا کر سنو، اور یاد رکھو کہ ان کافروں کے لیئے دردناک عذاب ہے۔

●

بنی اسرائیل کے جرائم کی فہرست میں من جملہ دوسرے جرائم کے ایک سنگین جرم انبیاء کی شان میں گستاخی اور بے ادبی ہے۔ اس آیت میں قرآن ان کی اسی مجرمانہ ذہنیت کو بتانا چاہتا ہے۔ لیکن چونکہ یہاں اُن کی گستاخی کا نشانہ خود ذاتِ نبوت ہے۔ اس لیئے قرآن نے عنوان بدل دیا۔ پہلے سے اندازِ بیان یہ آرہا ہے کہ تم نے ایسا کیا، تم نے یوں کیا، تم نے خون بہایا، تم نے انبیاء کی تکذیب کی وغیرہ وغیرہ۔ اور اب عنوان بدل کر بات کو اس طرح پیش کیا کہ اے اہلِ ایمان تم راعنا نہ کہا کرو۔ یعنی جنابِ نبوت میں گستاخی اتنا سنگین جرم ہے کہ اس کا مرتکب اللہ کے لئے قابلِ خطاب بھی نہیں ہے۔ یہاں ان کی گستاخی کیا تھی؟ شاہ عبدالقادر صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہود پیغمبر کی مجلس بیٹھتے اور حضرت کلام فرماتے۔ بعضی بات جو نہ سنی ہوتی چاہتے کہ پھر تحقیق کریں تو کہتے راعنا یعنی ہماری طرف بھی متوجہ ہوں۔ ان سے مسلمان بھی کسی وقت یہ کلمہ کہتے، اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا کہ یہ لفظ نہ کہو اگر کہنا ہو تو انظرنا کہو، اس کے معنے بھی یہی ہیں اور آگے سنتے رہو کہ پوچھنا ہی نہ پڑے۔ یہود کے اس کہنے میں دغا تھی۔ اس کو زبان دبا کر کہتے تو راعینا ہوجاتا یعنی ہمارے چرواہے۔ اور ان کی زبان میں راعن احمق کو بھی کہتے ہیں۔ قرآن میں دوسری جگہ یہ تصریح کہ رَاعِنَا لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ یعنی راعنا کا لفظ اپنی زبان کو مروڑ کر کہتے یعنی راعنا کو راعینا کہتے۔ بات پہلے سے مسلسل چلی آرہی ہے پہلے

بھی یہودیوں کی شناعتوں کا تذکرہ ہے۔ یہاں بھی ان کی اس خاص شرارت کا تذکرہ ہے۔ مولانا عثمانی فرماتے ہیں۔ یہود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے تو راعنا کہتے۔ اس کے بھی دو معنی ہیں۔ ایک اچھے دوسرے بُرے۔ اچھے معنے تو یہ کہ ہماری رعایت کرو، اور بُرے یہ کہ یہود کی زبان میں یہ کلمۂ تحقیر ہے یا زبان دبا کر راعینا کہتے۔ یعنی تو ہمارا چرواہا ہے اور یہ ان کی شرارت تھی۔ آیت میں ان کی شرارت اور گستاخی ہی کو بیان کرنا مقصود ہے۔

لہ۔ راعنا۔ تو ہماری رعایت کر۔ ہمارا خیال کر۔ ہماری طرف کان لگا۔ اس صورت میں یہ مراعات سے امر بنا ہے جس کے معنے کسی کی بات پر کان رکھنے اور دوسرے کے حق کی رعایت کرنے کے ہیں۔ دراصل بنی اسرائیل حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں اپنے سلام اور کلام میں ہر ممکن طریقہ سے اپنے دل کا بخار نکالنے کی کوشش کرتے تھے۔ ذو معنی الفاظ بولتے۔ زور سے کچھ کہتے اور زیر لب کچھ اور کہہ دیتے اور ظاہری آداب برقرار رکھتے ہوئے دَر پردہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی توہین کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے تھے۔ اس خاص لفظ کے استعمال سے مسلمانوں کو روکا گیا ہے۔ کیونکہ یہ ایک ذو معنی لفظ تھا۔ اس لفظ کا ظاہری مفہوم تو یہ تھا کہ ذرا ہماری طرف توجہ کیجیے یا ہماری بات سن لیجیے۔ مگر اس میں کئی احتمالات اور بھی تھے۔ مثلاً عبرانی میں اس سے ملتا جلتا ایک لفظ تھا جس کے معنے تھے، سن تو بہرہ ہو جائے۔ اور خود عربی میں راعن کے معنے صاحب رعونت اور جاہل واحمق کے بھی تھے۔ اور گفتگو میں یہ ایسے موقعہ پر بولا جاتا تھا جب یہ کہنا ہو کہ ہماری بات سنو تو ہم تمہاری سنیں۔ اور ذرا زبان کو لچکا دے کر راعینا بھی بنا لیا جاتا تھا۔ جس کے معنے اے ہمارے چرواہے کے تھے۔ اس لئے مسلمانوں کو حکم ہوا کہ تم اس لفظ کے استعمال سے پرہیز کرو۔ع

ٹ۔ بلکہ اُنظرنا کہا کرو۔ یعنی راعنا کی بجائے اُنظرنا کہا کرو اس کے معانی بھی وہی ہیں۔ قرطبی نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کو حضور انور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو عزت واکرام سے مخاطب کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم پر نظر فرمایئے اور ہماری طرف توجہ فرمایئے پہلے لفظ میں ذو معنی ہونے کی وجہ سے توریہ ہو سکتا ہے اور اس میں توریہ نہیں ہو سکتا۔ توریہ بلاغت کی اصطلاحی زبان میں یہ ہے کہ متکلم ذو معنے لفظ بولے۔ متکلم کی مراد کچھ اور ہو

ع۔ تفہیم القرآن جلد پہلی صفحہ ۱

اور مخاطب کچھ اور سمجھے، اور بات میں جھوٹ نہ آنے پائے۔ مثلاً ہجرت کے موقعہ پر حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) اور حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) دونوں سفر پر تھے۔ راستے میں ایک شخص ملا، ابو بکر (رضی اللہ عنہ) نے بات چیت کی۔ بات چیت ہی کے دوران ملنے والے شخص نے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ یہ کون ہیں۔ ابو بکر (رضی اللہ عنہ) یہ راز اس پر کھولنا نہ چاہتے تھے۔ اس لئے ایسے ذو معنی الفاظ بولے کہ مخاطب کو جواب مل گیا اور راز بھی ظاہر نہ ہوا فرمایا رَجُلٌ یَھْدِیْنِی السَّبِیْلَ مجھے راہ بتانے والا شخص ہے۔ راہ سے مراد ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کی راہِ نجات تھی۔ اور سمجھنے والے نے سمجھا کہ اس سفر میں راستہ کا کوئی واقف کار ہے۔ اس قسم کی تعبیر کو بلاغت کی زبان میں توریہ کہتے ہیں۔ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل راعنا بطورِ توریہ حضور انور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شانِ اقدس میں استعمال کرتے تھے۔ حافظ ابن تیمیہؒ کہتے ہیں کہ یہودی راعنا سے رعونت کے معنے مُراد لیتے تھے۔ گفتگو میں یہ الفاظ بولتے اور باہم ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنستے۔ سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہ) اس حرکت کو تاڑ گئے۔ بول پڑے بخدا اب اگر تم میں سے کسی کو یہ لفظ بولتے سُنا، تو گردن اڑا دوں گا۔ ؎

ؔ۔ پھر جو کچھ کہیں کان لگا کر سنو۔ یعنی ابتدا ہی سے متوجہ ہو کر سنو تاکہ مکرر پوچھنا نہ پڑے۔ یعنی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ارشادات ادب و تعظیم کے ساتھ توجہ سے سنو۔ یہودیوں کو تو بار بار یہ کہنے کی ضرورت اس لئے پیش آتی ہے کہ وہ نبی کی بات توجہ سے نہیں سنتے مگر تمہیں اللہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات غور سے سُننی چاہیئے۔

آیت کا حاصل یہ ہوا کہ جنابِ نبوت میں راعنا نہ بولو کہ یہ ذو معنے لفظ ہے اس سے علامہ ابوبکر ابن العربی نے یہ بات خوب سمجھی ہے کہ جن الفاظ میں اہانت اور بے ادبی کا احتمال بھی ہو بارگاہِ رسالت میں ان کے استعمال سے بھی پرہیز کرنا چاہیئے۔ قرطبی بھی یہ بات کہنے میں ابن العربی کے ہم زبان ہیں اور حافظ ابن تیمیہؒ اس سے دو قدم آگے بڑھ کر فرماتے ہیں کہ دل میں رسالت کی تصدیق بالذات استخفاف و استہانت سے مانع ہے۔ الفاظ کا ایسا پیمانہ جس سے نبوت کی جناب میں گستاخی کی بو بھی آتی ہو۔ ایمان سے خارج کر دیتا ہے۔ اس آیت سے علامہ قرطبی نے اسلامی آئین کی وہ دستوری دفعہ بھی معلوم کی ہے،

ؔ۔ الصارم المسلول ص ۲۲۳

جس پر بہت سے اسلامی زندگی کے قوانین کا مدار ہے۔ اور اسلامی مملکت میں جس کی اساس پر قانون سازی کی جاتی ہے۔ آئین اسلامی کی اس دستوری دفعہ کو سدِ ذرائع کے نام سے پکارتے ہیں۔ اس پر تفصیلی بحث پارہ ۷ سورۂ انعام میں آئے گی۔ یہاں چند اشارات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

ذرائع کی حقیقت یہ ہے کہ اگر اسلام کسی کام کی لوگوں پر ذمہ داری ڈالتا ہے تو اس کے حصول کے تمام وسیلے مطلوب ہوں گے۔ اور ایسے ہی اگر اسلام کسی کام سے روکتا ہے تو ہر وہ راستہ جو اس کے کرنے میں معاون و مددگار ہو حرام ہوگا۔ یہ اسلام میں قانون سازی کی اہم دفعہ ہے۔ احناف، مالکیہ اور حنابلہ نے اس پر کافی اعتماد کیا ہے۔ اس کی روشنی میں اگر کوئی امر اسلام میں مطلوب ہے تو دوسرے درجہ میں اس کے حصول کا ذریعہ بھی مطلوب ہوگا۔ اور ہر ناجائز چیز کے حصول کا ذریعہ بھی ناجائز اور حرام ہوگا۔ اس لئے یہ ذریعہ یا وسیلہ ماموربہ یا منہی عنہ، چیز تک رسائی کا سبب بن سکتا ہے۔ قرطبی فرماتے ہیں کہ

یہ آیت بتا رہی ہے کہ لفظ راعنا کا استعمال چونکہ جنابِ نبوّت میں گستاخی اور بے ادبی کا ذریعہ ہے۔ اس لئے اس لفظ کے استعمال پر اللہ سبحانہٗ کی جانب سے قدغن قائم کر دی گئی ہے۔ بعض معاصر مفسرین کی حسِ توحید اس قدر تیز ہے کہ انہوں نے اس لفظ سے لپٹے شرک سونگھ کر یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ

اس لفظ سے یہودیوں کا مقصد مسلمانوں میں غیر اللہ کے حافظ و ناصر ہونے کا خیال ڈالنا تھا تاکہ مسلمانوں میں غیر شعوری طور پر شرک کا عقیدہ رائج ہو جائے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ایسے موہم شرک لفظ سے منع کر دیا۔ شرک کی قباحت اپنی جگہ مسلم ہے لیکن اس آیت میں تاویل و توجیہہ کا یہ انداز نہ صرف یہ کہ منقول نہیں ہے بلکہ آیت کے مطالب کو مضحکہ خیز بنانے کے مترادف ہے۔ آیت میں راعنا کے استعمال سے جس بنیاد پر روکا گیا ہے وہ ایہامِ شرک نہیں بلکہ ذریعہ استخفاف شانِ نبوت ہے۔ قرطبی لکھتے ہیں: لانہ ذریعۃ للسب، کیونکہ یہ لفظ حضورؐ کی شان میں گستاخی کا ذریعہ ہے۔ آلوسی فرماتے ہیں، ونھی المومنون سدا للباب نبوت کی شان میں گستاخی کے دروازے بند کرنے کے لئے راعنا کے استعمال سے منع کیا

ہے۔ ابنِ کثیرؒ لکھتے ہیں: نهى المومنين عن مشابهة الكافرين قولاً و فعلاً اللہ نے مومنین کو گفتار و کردار میں کافروں کی کاپی کرنے سے منع فرما دیا ہے۔ حافظ ابن جریر رقم طراز ہیں درست یہی ہے کہ اللہ پاک نے اہلِ ایمان کو راعنا کے لفظ استعمال کرنے سے اس لئے روکا ہے کہ اللہ کو اپنے نبی کے لئے یہ گوارا نہ تھا۔ ابو حیان اندلسی نے جمہور مفسرین کی طرف منسوب کر کے لکھا ہے کہ راعنا کے استعمال سے اس لئے روکا گیا ہے کہ اس میں بہت بڑا مفسدہ ہے۔ یہ مفسدہ کیا ہے؟ سب کا فیصلہ یہی ہے کہ شانِ نبوت میں گستاخی بہر حال بتانا یہ ہے کہ چونکہ اس لفظ کا استعمال ذریعہ ہے شانِ نبوت میں گستاخی کا اور نبوت کا مقام اتنا ارفع اور اتنا اعلیٰ اور اولیٰ ہے کہ گستاخی تو در کنار، ان کی جناب میں آواز کا بلند کرنا بھی تمام اعمالِ حیات کو اکارت کر دیتا ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں،

> حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ گرامی میں بے ادبی بنیادی طور پر اللہ کے دین کے منافی ہے۔ بے ادبی سے احترام اور تعظیم پامال ہو جاتا ہے۔ احترام نہیں تو جو کچھ نبوت لے کر آئی ہے اس کا بھی کوئی مقام نہیں رہتا ہے۔ پورا دین، پورا ایمان حرف غلط ہو کر رہ جاتا ہے۔ اسی بنا پر ان کی مدح سرائی، آپ کی تعریف، آپ کی تعظیم، آپ کی توقیر سے ہی سارے دین کا قیام وابستہ ہے اور اس سے محرومی درحقیقت پورے دین سے محرومی ہے۔[۱]

اور یہ بھی لکھا ہے کہ

> یہ ناممکن ہے کہ جس قلب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احترام ہو اس کی زبان پر گستاخی اور بے ادبی ہو۔ احترام اور توہین کبھی یکجا نہیں ہو سکتے ہیں۔

بہر حال بتانا یہ ہے کہ رسالت کی ذات سے محبت، آپ کی تعظیم ایمان کا لازمہ ہے۔ شانِ نبوت میں بے ادبی بقول حافظ ابن تیمیہؒ کفرِ ابلیس سے زیادہ سنگین جرم ہے۔ قرآن اسی جرم کی طرف جانے والے ذریعہ پر پابندی لگا رہا ہے۔ ذرائع کا یہ زریں اصول اسلام کی قانون

[۱] الصارم المسلول ص ۲۰۳

سازی میں بے حد قیمتی ہے۔ اس کی کچھ قیمت کا اندازہ کرنا ہو تو اعلام میں حافظ ابن القیم کا یہ بیان پڑھیئے:

اس میں شبہ نہیں کہ مقاصد تک پہنچنے کے ذرائع اور راستے ضرور ہوتے ہیں اور ان کا حکم بھی مقاصد ہی کا ہوتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ معاصی اور محرمات سے روک دیتا اور گناہ کی طرف جانے والے راستے کھلے رکھتا تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ ایک طرف معاصی سے روکا، اور دوسری طرف معاصی پر آمادہ کرنے والی چیزوں کو بحال رکھا۔ اور اس طرح تحریم کے حکم کو توڑ دیا۔ ظاہر ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کاملہ اور اس کے علم محیط کے سراسر منافی ہے۔

اس موضوع پر ابن القیم نے اعلام میں سیر حاصل بحث کی ہے اور اغاثۃ اللھفان میں مختصر۔ اور عملی زندگی میں اسلامی قانون میں سے چن چن کر مثالیں پیش کی ہیں۔ آپ بھی کچھ مثالیں سن لیجئے۔

فتنہ و فساد کے زمانہ میں اسلحۂ جنگ بیچنا حرام ہے۔ اس لئے کہ ایسے موقع پر ان کا فروخت کرنا شر کی توسیع کا ذریعہ ہے۔ کیونکہ جب فساد ممنوع ہے تو اس کے ذرائع بھی ممنوع ہیں۔

معاشیات کے طالب علم یہ سن کر حیران ہوں گے کہ اسی اصل کی بنا پر امام احمدؒ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اگر کوئی شخص کھانے پینے کا ضرورت مند ہے اور یہ چیزیں اس کے پڑوسی کے پاس موجود ہیں اور وہ دیتا نہیں ہے یہاں تک کہ وہ بھوک اور پیاس سے مرجاتا ہے تو کھانے یا پانی کے مالک پر اس کا خون بہا واجب ہوگا۔ حالانکہ اس نے غلطی سے یا عمداً قتل نہیں کیا ہے، مگر چونکہ اس کی ذخیرہ اندوزی ایک شخص کی موت کا ذریعہ بنی ہے اس لئے اس پر دیت واجب ہوگی۔

امام احمدؒ اس تاجر سے خریدنا ناجائز سمجھتے تھے جو اپنے پڑوسی تاجر کو نقصان پہنچانے کے لئے قیمت گھٹا کر فروخت کرے۔ یہ فتویٰ اسی اصل پر مبنی ہے۔

اگر کسی جائز کام سے دوسروں کو ناجائز کاموں کی گنجائش ملتی ہو تو جائز فعل بھی ناجائز

ہوگا۔

ص۱۷ ۔ ان کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ آلوسی کہتے ہیں کہ لام عہد کے لئے اور کافرین سے مراد وہ یہودی ہیں جنہوں نے شانِ نبوّت میں گستاخی کی ہے۔ اصول کے مطابق بات کا انداز تو یہ ہونا چاہیئے کہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ لیکن ارشاد یہ ہوا ہے کہ ان کافروں کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ شانِ نبوّت میں گستاخی اور بے ادبی اتنا سنگین کفر ہے کہ جس کا نتیجہ عذاب الیم ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کا درجہ ہرگز وہ نہیں ہے جو امت کے اہلِ ایمان کی گستاخی کا ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی امت کے تمام افراد سے حقوق میں ایک نمایاں امتیاز رکھتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کفر ہے جبکہ دوسرے اہلِ ایمان میں سے کسی مومن کی بے ادبی صرف گناہ ہے۔ اور قانون میں سزائیں جرائم کے مطابق ہوتی ہیں۔ (الصارم المسلول)

گستاخی تو بڑی بات ہے۔ شانِ نبوت میں تعریض بھی کفر ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ نے عذابِ الیم کی تشریح کرتے ہوئے دنیا میں گستاخِ نبوت کی سزا اس کے وجود سے زمین کو پاک کرنا بتایا ہے۔ اس پر تو آئمہ کا اتفاق ہے۔ احناف، موالک، شوافع اور حنابلہ سب ایک زبان ہیں۔ اختلاف اس میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخ کو یہ سزا کفر کی بنا پر دی جا رہی ہے یا یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی قانونی سزا یہی ہے۔ اس کی تفصیلات انشاء اللہ پارہ ۲۶ سورۂ حجرات میں آئیں گی۔

مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمۃ کی مثنوی شریف سے منتخب حکایات کا مجموعہ

بہارِ مثنوی

تالیف

قطبِ وقت حضرت علامہ مفتی محمد محمود الوری رحمۃ اللہ علیہ

- مؤلف علیہ الرحمۃ کی بہترین اور لاجواب کاوش۔
- علماء، خطباء، طلباء اور مذہبی ذوق رکھنے والے حضرات کیلئے بیمثال تحفہ۔
- حکایات اور تمثیلات کی زبان میں معرفت و حقیقت کے نادر و نایاب مسائل کا حل۔
- سالکوں اور صوفیوں کے لیے تعلیم و تصوف اور مقاماتِ سلوک طے کرنے کا طریقہ۔
- وادیٔ ضلالت میں بھٹکنے والوں کے لیے نیکی اور بدی کے راستہ کی وضاحت۔
- معاشرہ کے زخم رسیدہ ناسوروں کی نشاندہی اور ان کا علاج۔
- اُمتوں کے اسبابِ زوال کی توضیح اور کامرانی و شادکامی کا راستہ۔
- شائقین علم و خرد کے لیے خیر و شر میں فرق کرنے کی میزان۔

اِسلام کا درد رکھنے والوں اور اصلاحی و تعمیری ذہن کے مالک احباب کے لیئے اس کتاب کا مطالعہ بہت ضروری اور فائدہ بخش ہے۔

ارکانِ دین

توضیح العقائد (رکن دین : حصہ اول)

اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں، کتابوں، رسولوں، یوم آخرت اور تقدیر پر ایمان کی مستند تفصیلات اس میں موجود ہیں۔

کتاب الصلوٰۃ (رکن دین : حصہ دوم)

ہر قسم کی ناپاکی سے طہارت، وضو، غسل نیز نمازوں کے اوقات و مسائل اور تمام دنوں اور سال بھر کی نفلی نمازوں کے فضائل و فوائد، باحوالہ۔

کتاب الزکوٰۃ (رکن دین : حصہ سوم)

زکوٰۃ و عشر کی فرضیت، فضائل و مسائل اور مصارف و فوائد وغیرہ پر تحقیقی کتاب ہے۔ اس کا مطالعہ بڑا مفید ہے۔

کتاب الصیام (رکن دین : حصہ چہارم)

رمضان المبارک اور پورے سال کے ہر قسم کے فرض اور نفل، روزوں کے فضائل و مسائل اور فوائد پر جامع کتاب ہے۔

کتاب الحج (رکن دین : حصہ پنجم)

حج و عمرہ اور زیارت مدینہ منورہ کے مستند فضائل و مسائل اور ہر عمل کی شرعی حیثیت اور اسرار محبت بھرے انداز میں تحریر فرمائے ہیں۔

حضرات القدس (دفتر اوّل)

- **مصنف** : کاشف حقائق حضرت خواجہ علامہ بدرالدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ۔
- **مترجم** : حضرت علامہ الحاج الحافظ محمد اشرف مجددی مدظلہ۔

مذکورہ بالا کتاب کے مصنف حضرت امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے وہ منظور نظر اور مقبول بارگاہ خلیفہ ہیں جنہوں نے سترہ سال اپنے مرشد گرامی کی خدمت میں رہ کر ظاہری باطنی علوم حاصل کیے اور اپنے دور کے ممتاز علماء و مشائخ کی صف میں داخل ہو گئے۔

اس کتاب میں خلفائے راشدینؓ حضرت سلمان فارسیؓ، امام جعفر صادقؒ، حضرت بایزید بسطامیؒ، خواجہ ابوالحسن خرقانیؒ، خواجہ یوسف ہمدانیؒ، خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاریؒ، خواجہ یعقوب چرخیؒ، خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے دیگر ممتاز بزرگانِ دین کے حالات، کرامات اور تعلیماتِ مقدسہ نہایت تفصیل کے ساتھ تحریر ہیں۔

کتابت اعلیٰ۔ طباعت آفسٹ، جلد ڈائی دار، صفحات ۳۳۶، قیمت/۲۷ روپے

حضرات القدس (دفتر دوم)

- **مترجم** : ترجمانِ حقائق و معارف حضرت علامہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں نقشبندی سابق صدر شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی حیدرآباد (سندھ)

دفتر ہذا میں فاضل مصنف نے اپنے مرشد حقانی، پیر لاثانی امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی مکمل اور مفصل حیات مبارکہ، کرامات مقدسہ اور پہلے بزرگوں کی پیش گوئیاں نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان کی گئی ہیں نیز آپ کی تعلیمات، ارشادات عالیہ اور آپ کے شبانہ روز کے معمولات اور تجدیدی کارناموں کا تذکرہ حسین پیرائے میں نہایت تحقیق کے ساتھ کیا گیا ہے۔ ————

علاوہ ازیں حضرت شیخ گرامی کی اولاد اور خلفاء کبار کے حالات، کرامات اور تعلیمات پر سیر حاصل بحث بھی کی گئی ہے۔ بہرحال کتاب ہذا اپنے وقت کے عظیم مصنف نابغہ نازعالم، ممتاز ادیب اور بلند مرتبہ بزرگ کی علمی اور تحقیقی ذہنی کاوش کا نتیجہ ہے۔ اہلِ ذوق احباب کے لیے بالعموم اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ سے منسلک حضرات کے لیے بالخصوص کتاب مذکورہ کا مطالعہ روحانی فیض حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے بہت جلد منظرِ عام پر آرہی ہے ———— کتابت اعلیٰ، طباعت آفسٹ۔ کاغذ سفید